"زبدۃ التحقیق" کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

یعنی

انبیاے کرام کے بعد

افضل کون؟

مصنف

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

حسب فرمائش

حضرت مولانا نظام الدین صاحب (یوکے)

ناشر

جماعت رضاے مصطفیٰ (یوکے)

نام کتاب : انبیاے کرام کے بعد افضل کون؟

مصنف : فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

سن تصنیف : ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء

کمپوزنگ : مولانا محمد زَبُد الحق مصباحی مدرس درجات عالیہ **"جامعہ فیض الرحمٰن"** جونا گڑھ، گجرات (انڈیا)

اشاعت اول : ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء

ناشر : جماعت رضاے مصطفیٰ (یو، کے)

صفحات : ۲۷۸

تعداد :

قیمت :

ہندوستان میں ملنے کے پتے:

(۱) خواجہ بک ڈپو، 419/2 مٹیا محل، اردو مارکیٹ، جامع مسجد، دہلی

(۲) امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، یوپی

(۳) جامعہ فیض الرحمٰن جونا گڑھ، گجرات

(۴) جامعہ نوریہ شام پور، رائے گنج، بنگال

فہرست

۹۲ / ۸۶ ؁ھ

محب گرامی حضرت مولانا نظام الدین صاحب، **زاداللہ حبہ!**

سلام مسنون!!

آپ نے اس کم علم وکم سواد شخص کو جو، کچھ طلبہ، بزرگوں کی چند کتابوں اور قلم کے اپنے ان ہی سارے اثاثوں کے ساتھ کنج خمولی میں پڑا ہے اور بس، ایک ایسی شخصیت جو آل رسول کے ساتھ ساتھ اولاد غوث اعظم بھی کہی جاتی ہو، ان کی چار سو صفحات پر مشتمل ضخیم تصنیف ''زبدۃ التحقیق'' ارسال فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ میں اس کا تحقیقی جائزہ قلم بند کروں۔

موصوف کے مطابق آج کل ہم رضوی و بریلوی کہلانے والے کچھ لوگ، امام اہل سنت سے محبت وعقیدت اور اتباع و پیروی کی خوش فہمی میں تکفیر و تضلیل کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں اور جہالت مرکبہ میں مبتلا آپ کے نادان دوست ہونے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، اور اسی کے ردعمل میں موصوف کی نوک قلم اس قدر تند و تلخ ہوگئی ہے۔

میری نظر میں امام احمد رضا کے ارشادات وہدایات ہیں جن کے پیش نظر موصوف کا تتبع نہیں کرسکتا۔ اس لیے گفتگو کا رخ، آپ کی طرف ہوگا اور تعمیل حکم کی کوشش ہوگی۔ع : ''شاید کہ اتر جائے... دل میں مری بات'' کے مصداق قبول ہو جائے تو زہے قسمت! **واللہ الھادی وھو ولی التوفیق۔**

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذر

میں اپنی اس کاوش کو شمعِ شبستانِ ولایت، بہارِ چمنستانِ معرفت، امامُ الواصلین، سیدُ العارفین، خاتمِ خلافتِ نبوت، فاتحِ سلاسلِ طریقت، مولی المسلمین، امیرُ المؤمنین، ابو الائمۃ الطاہرین، اسدُ اللہ الغالب، مظہرُ العجائب والغرائب، مطلوبِ کلِ طالب، سیدُ نا ومولانا علی ابن ابی طالب کرَّمَ اللہ وجھہ الکریم وحشرَنا فی زُمرتہٖ فی یومٍ عقیم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ جن کا متواتر فرمانِ عالی شان ہے: جو مجھے صدیق اکبر سے افضل مانے، مفتری ہے۔ وہ (آخرت کے علاوہ) دنیا میں بھی اسّی کوڑے کھانے کا سزاوار ہے۔

جس کے پیشِ نظر امام عبدالرزاق رضی اللہ عنہ، جن کو محدثین نے اپنی قدیم اصطلاح میں متشیع کہا ہے، انہوں نے فرمایا: ''حضرت مولا علی نے صدیق اکبر کو اپنے آپ پر فضیلت نہ دی ہوتی تو ہم اُن کو افضل نہیں مانتے۔ مگر جب آپ ہی نے فضیلت دی ہے تو اب ہمارے لیے ماننے کے سوا چارہ کیا ہے؟ میں آپ سے دعویٔ محبت رکھ کر آپ کے خلاف جاؤں، اس سے بڑھ کر گناہ کیا ہوگا؟''

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

شکر گزاری

سب سے پہلے میں شکر گزار ہوں محب مکرم حضرت مولانا نظام الدین صاحب زِیدہ حبُہ مقیم برطانیہ کا، جنہوں نے ''زبدۃ التحقیق'' کا عکس بھیج کر مجھے اس طرف توجہ دلائی اور پیہم اصرار کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ میں اس کا علمی و تحقیقی جائزہ قلم بند کروں۔ ورنہ کہاں یہ تقریباً تین سو صفحے کی مدلل و محقق کتاب اور کہاں میں؟ مجھ سے تو عمر کی اس منزل میں گونا گوں امراض کے ساتھ معمول کے فرائض ہی کما حقہ ادا نہیں ہو پا رہے ہیں، اس پر کم علمی مستزاد ہے۔

ساتھ ہی جامعہ ''فیض الرحمٰن'' جونا گڑھ (گجرات) کے بانی و سربراہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدیقی مجددی نقشبندی مدظلہ کا بھی مشکور ہوں، جو کتاب کو گجراتی میں منتقل کر رہے ہیں اور ادارہ کی طرف سے شائع کر کے مفت تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبۂ دینی کو قبول فرمائے، ان کو اور ادارہ ''فیض الرحمٰن'' کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے! آمین ثم آمین!!

اخیر میں جواں سال عالم دین، عزیز مکرم مولانا محمد زُبَد الحق سلمہ، مدرس درجات عالیہ جامعہ ''فیض الرحمٰن'' جونا گڑھ (گجرات) کا بھی شکریہ نہ ادا کرنا، ناسپاسی ہوگی، جنہوں نے اپنے غیر تدریسی اوقات میں جی جان لگا کر کتاب کی کمپوزنگ کی، مشمولات کی فہرست مرتب فرمائی اور مآخذ و مصادر ترتیب دیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت کی اپنے فضل و کرم کے حساب سے جزا دے اور علم و عمر میں برکتیں عطا فرما کر زیادہ سے زیادہ دین متین کی خدمت لے! آمین!!

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

۹۲/ ۷۸۶

زبدۃ التحقیق :(ایک اجمالی جائزہ)

کتاب ''زبدۃ التحقیق''پیش نظر ہے،جس میں:

(۱) ص ۹ تک فہرست ہے۔

(۲) ص۱۰ پر بعض اکابر کی طرف کچھ اقوال منسوب کئے گئے ہیں۔

(۳) ص۱۱ سے ص ۱۶ تک پیر سید صابر حسین شاہ گیلانی کی طرف سے اظہار تشکر ہے،جس کے ص ۱۲ پر لکھا گیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی افضلیت پر''اجماع کا کوئی ثبوت نہیں ہے''۔

(۴) ص ۱۳ پر رقم فرمایا گیا ہے کہ''مسئلۂ تفضیل ظنی ہے،قطعی نہیں،جمہوری ہے، اجماعی نہیں اور نہ ہی یہ ضروریات دین کا مسئلہ ہے''۔

(۵) ص۱۷ سے ص ۲۸ تک مقدمہ ہے،جس میں ص ۱۷ پر فرمایا گیا ہے:

چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیت کرام اور صحابۂ عظام رضی اللہ عنہم معیار سنیت ہیں۔ لہٰذا جس کا نام سُنیت ہے اس کا وجود اُس دور میں صراحتاً یا کنایتاً یا عبارتاً یا اشارتاً، یا دلالتاً یا اقتضاءً پایا جانا ضروری ہے ورنہ وہ عقیدہ سُنیت نہیں کہلا سکے گا۔ اور جو عقیدہ اہل بیت کرام یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں پایا جائے گا وہ سُنیت کی بنیاد ہوگا اور سُنیت سے اخراج کا معنیٰ نہیں دے گا۔

(۶) ص ۱۷،۱۸ پر مناقب ائمہ اربعہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

قد علمنا ان الصحابة مختلفة فی التفضیل فلا سبیل اذن لنا الی العلم بان واحدا منهم افضل من غیره۔

ترجمہ: ہمیں پتہ چلا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم افضلیت دینے میں مختلف ہیں۔ تو ہمیں یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے افضل ہے۔

(۷) ص ۱۸ ہی پر اسی کتاب کے حوالے سے نقل فرمایا گیا ہے:

اما القائلون بانا نقف فیهم من غیر قطع علی تفضیل احد منهم او قطع تساویهم فی الفضل فانهم اقرب الی الصواب واقدر علی الاحتجاج.

ترجمہ: مگر اس بات کے قائل کہ ہم ان میں توقف کرتے ہیں نہ ہی ان میں سے کسی ایک کی افضلیت کو قطعی کہتے ہیں اور نہ ہی ان کی برابری کو کہتے ہیں وہ لوگ ثواب کے زیادہ قریب ہیں اور ثبوت پیش کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔

(۸) ص ۱۹ پر بھی اسی مناقب ائمہ اربعہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

القول بتفضیل علی رضوان الله علیه (ای :علی عثمان. فقیر رضوی) مشهور عند کثیر من الصحابة کالذی یروی عن عبدالله بن عباس وحذیفة بن الیمان و عمار بن یاسر وجابر بن عبد الله وابوالهیثم بن تیهان وغیرهم وان کانت الروایة فی تفضیل ابی بکر اشهر

عنداصحاب الحدیث۔

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا کہ عبداللہ بن عباس وحذیفہ بن الیمان وعمار بن یاسر، جابر بن عبداللہ، ابوالہیثم بن تیہان وغیرہ۔ اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت، اہل حدیث کے ہاں زیادہ مشہور تھی۔ (زبدہ ص ۳۳۶)

(۹) ص ۲۰ پر لکھا گیا ہے:

نظریاتی دہشت گردوں نے لفظ ''سُنیت'' کو ایک دھمکی بنالیا ہوا ہے اور خوف وہراس پھیلانے کا ذریعہ تراش لیا ہے۔ اور فضل کلی وفضل جزئی، افضلیت مطلقہ کی اصطلاحیں وضع کرلی ہیں۔

(۱۰) اسی ص ۱۹ پر رقم فرمایا گیا ہے:

یہ افضلیت مطلقہ یا فضل کلی یا جزئی کی اصطلاحات تو بعض متاخرین ہند کی اختراعات ہیں۔ ان کا سُنیت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں۔

(۱۱) ص ۲۱ پر بھی مناقب ائمہ اربعہ کے حوالے سے یہ لکھا گیا ہے:

قد روی ان جماعة من الصحابة کانت تظهر القول بفضل علی امام زمن ابی بکر وبعده، منهم عبدالله بن عباس فی قوله للشرة: قد جئتکم من عند خیر الناس واقدمهم اسلاما، وماروی عن جابر بن عبدالله انه

قال: کان والله ذالك خیرالبشر بعد رسول الله " و کذالك کان رائ حذیفة وعمار و کان یقولان: انه اقدمهم اسلاما واعلمهم بدین الله واولاهم بالامة و رسوله۔

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی اور ان کے بعد بھی ظاہر کیا کرتی تھی۔ ان میں سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہوں نے خوارج کے سامنے یہ بات ارشاد فرمائی ''میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو سب سے افضل ہے اور اسلام میں سب سے پہلا مسلمان ہے۔ اور اسی طرح کا قول ہے جو جابر بن عبداللہ سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سارے لوگوں سے افضل تھے اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ان کے بارے میں ایسا ہی تھا۔ اور جناب عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا بھی۔ یہ دونوں کہا کرتے تھے ''علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان تھے اور سب سے زیادہ اللہ کے دین کے علم جاننے والے تھے اور امت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ (ص ۲۱)

(۱۲) ص ۲۲ پر فرمایا گیا ہے:

افضلیت ابوبکر رضی اللہ عنہ مذہب جمہور ہے جو کہ اسلام میں
کوئی قانون ساز ادارہ نہیں۔ لہٰذا اس پر کسی بھی قطعیت کی بنیاد
نہیں رکھی جا سکتی۔

(۱۳) پھر ص ۲۲ ہی سے ص ۲۴ تک لکھتے ہیں:
جناب ابوبکر باقلانی اپنی کتاب ائمۂ اربعہ ۱۸۱ پر حیز تحریر میں
لاتے ہیں:

قد قلنا فی صدر الکلام فی التفضیل "انها مسئلة اجتهاد.

ترجمہ: ہم نے مسئلۂ تفضیل کے آغاز سخن میں کہا: مسئلۂ
افضلیت اجتہادی ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اوائل اسلام سے دسویں صدی ہجری
کے آخری نصف تک تو یہ مسئلہ اجماعی نہیں تھا۔ اب
کہیں راتوں کی تنہائیوں میں یہ مسئلہ اجماعی ہو گیا۔ اجماع کے
باب میں قرون اولیٰ کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا البتہ اسے متاخرین
ہند کی کرامات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

(۱۴) ص ۲۴ پر ہی صواعق محرقہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

ایضا ورد فی ابی بکر وغیرہ کعلی نصوص متعارضة یاتی
بسطها فی الفضائل وهی لاتفید القطع؛ لانها باسرها
آحاد وظنیة الدلالة مع کونهامتعارضة ایضا لیس
الاختصاص بکثرة اسباب الثواب موجبا لزیادة
مستلزمة للافضلیة قطعا بل ظنا؛ لانه تفضل من الله،

فله ان لا یثیب المطیع ویثیب غیره وثبوت الامامة و
ان کان قطعیا لایفید القطع بالافضلیة بل غایته الظن۔

ترجمہ: جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے کے
درمیان مثلاً علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نصوص متعارضہ وارد ہوئی ہیں
اور وہ نصوص کسی کی بھی افضلیت کے بارے میں قطعیت کا فائدہ
نہیں دیتیں، کیوں کہ وہ ساری اخبار واحدہ ہیں اور ظنیۃ الدلالۃ
ہیں۔ باوجودے کہ وہ نصوص متعارض بھی ہیں۔ اور ثواب کے
اسباب کی کثرت کے ساتھ مخصوص ہونا کسی زیادتی فضیلت کو
قطعی طور پر لازم نہیں کرتا بلکہ ظنی طور پر لازم کرتا ہے۔
کیوں کہ ثواب اللہ کا فضل ہے اس کو اس بات کا حق حاصل
ہے کہ وہ مطیع کو ثواب نہ دے اور کسی دوسرے کو ثواب دے
دے۔ اور امامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے تاہم افضلیت کے
قطعی ہونے کے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کی انتہا ظن ہے۔

(۱۵) ص ۲۶ پر امام باقلانی کی مناقب ائمہ اربعہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

وجملة ما یقوی فی هذا الباب ان الکلام فی التفضیل
مسئلة اجتهاد لایبلغ الخطاء بصاحبها فیها منزلة
الفسق ومایوجب البرأة لان الفضائل المرویة اکثرها
متعارض فی الفضل۔

ترجمہ: اس باب فضائل میں جتنی بھی باتیں کی گئیں ہیں ان
میں سب سے مضبوط یہ ہے کہ تفضیل میں کلام کرنا ایک مسئلۂ

اجتہاد یہ ہے جو اس میں خطا کرنے والے کو اس باب میں فسق
تک نہیں پہنچاتا اور نہ ہی براءت فراہم کرتا ہے؛ کیوں کہ
روایت کیے گئے فضائل اکثر افضلیت میں متعارض ہیں۔

(۱۶) ص ۲۸ پر لکھا گیا ہے:

''اجتہاد ہمیشہ اس چیز میں ہوتا ہے جس میں کتاب وسنت
رسول اللہ سے کوئی دلیل نہ ہو''۔

(۱۷) ص ۲۹ سے سخن اولیں کا آغاز ہوتا ہے جس کے ص ۳۰ پر فرمایا گیا ہے:

''ہر زمانے کے اہل حق کا اجماع حجت ہے''۔

(۱۸) ص ۳۱ سے ۱۰۷ تک خوارج کے عقائد، اہل بیت کے فضائل، صحابی کی
تعریف، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کچھ مناقب، آپ کی ولادت،
قبل از اسلام حیات مبارکہ، حلیہ مبارک، آپ کا اسلام لانا، اسی ضمن میں حضرت
مولی علی رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسلام لانا، حضرت
حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل اشعار جن کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی تحسین وآفریں سے ان کے حق ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے:

خیر البریۃ اتقاھا واعدلھا ✷ عدا النبی واوفاھا بما حملا
بعد از نبی ساری مخلوق سے وہ اچھا ہے جو سب سے زیادہ
پرہیزگار ہے اور سب سے زیادہ عادل ہے اور جو فرائض اپنے
ذمے لیے تھے سب سے زیادہ اچھی طرح نباہنے والا ہے۔

والثانی التالی المحمود مشھدہ۔ واول الناس منھم
صدق الرسلا۔

دوسرا ہے گنتی میں جس کی شہادت پسندیدہ ہے اور سب لوگوں
سے پہلے، رسول کی اس نے تصدیق کی۔

ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد۔ طاف العدو بھم اذ
صعد الجبلا۔
بلند پایہ، شان دار، ممتاز غار میں دوسرا تھا حالاں کہ دشمن ان کے
گرداگرد گھیراؤ کئے ہوئے تھے۔

وکان حب رسول اللہ قد علموا۔ من البریۃ لم یعدل بہ
رجلا۔
لوگوں کو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کا علم تھا کہ وہ مخلوق میں سے کسی
کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔

اور بطور صحابی رسول آپ کی حیات طیبہ، پھر آپ کی شان میں نازل شدہ کچھ
آیتوں کا بیان کرنے کے بعد ترمذی کے حوالے سے یہ نقل فرمایا کہ جناب عمر رضی
اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

یاخیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فقال ابوبکر: اما ان قلت ذاك فلقد سمعته یقول: ما
طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر۔
ترجمہ: اے وہ شخص جو سب لوگوں سے بہتر ہے
بعد از رسول اللہ ﷺ تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے
کہا کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے

سنا کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو جناب عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو۔

(۱۹) ص ۱۱۰ پر فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۲۳ ص ۲۳۲ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

اول من اشفع له يوم القيامة من امتي اهل بيتي ثم الاقرب فالاقرب من قريش، ثم الانصار، ثم من آمن بي واتبعني من اليمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع له اولا افضل۔

ترجمہ: جس کی قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کروں گا میری امت میں سے وہ میری اہل بیت ہے۔ پھر اس کے بعد قریش میں سے جو میرے زیادہ قریبی ہوں گے، پھر ان کے بعد جو زیادہ قریبی ہوں گے۔ اس کے بعد انصار کی شفاعت کروں گا پھر اس کے بعد جو میرے اوپر ایمان لایا اور میری پیروی کی اہل یمن سے اس کی شفاعت کروں گا پھر سارے عرب کی کروں گا پھر عجمیوں کی کروں گا اور جس کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہوگا۔

(۲۰) پھر ص ۱۱۱ پر علامہ مناوی کی کتاب "سيدة نساء اهل الجنة" کے حوالے سے یہ حدیث نقل فرمائی:

عن النعمان بن بشير: استأذن ابوبكر على المصطفى

صلى الله عليه وسلم فسمع عائشة رضى الله تعالى عنها عاليا وهى تقول: والله لقد عرفت ان فاطمة رضى الله تعالى عنها وعليا رضى الله تعالى عنه احب اليك منى ومن ابى مرتين اوثلاثا. فاستأذن ابوبكر فاهوى عليها فقال: يابنت فلان الاسمعتك ترفعين صوتك على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم. رواه الامام احمد ورجاله رجال الصحيح۔

ترجمہ: نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے جناب سیدعائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا جب کہ آپ کہہ رہی تھیں: خدا کی قسم مجھے پتہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے اور میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ سے دوگنا یا تین گنا پیارے لگتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: اے فلاں کی بیٹی! میں نے تجھے سرکار دوعالم ﷺ کی آواز پر آوز اونچی کرتے ہوئے پایا۔

(۲۱) ص ۱۲۰ سے ص ۱۲۶ تک برطانیہ کے کچھ احوال بیان کرتے ہوئے وہاں کے بعض علما کو فہمائش کرنے کی بجائے ان پر سب وشتم سے اپنی زبان آلودہ کرنے میں یہ فراموش کر دیا گیا ہے کہ ہم کون ہیں اور ہمارا رشتہ کس پاک ذات

سے ملتا ہے؟ خیر!

اگر دشنام فرمائی و گر نفریں، دعا گویم
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(۲۲) ص ۱۲۷ سے ص ۱۷۹ تک نعرۂ حیدری پھر اہل بدعت کے بارے میں علما کے آرا، ضمناً تکفیر مسلمین کی بحث، پھر اسی کے ضمن میں خوارج کا تذکرہ اور ان کی اقتدا کا حکم بتا کر یہ بحث کی گئی ہے کہ امام طبری سنی تھے یا شیعہ؟

(۲۳) ص ۱۸۰ سے ۳۹۸ تک یہ گفتگو کی گئی ہے کہ افضلیت کا مسئلہ نہ اجماعی ہے نہ قطعی بلکہ ظنی ہے لہٰذا آج اگر کوئی حضرت علی یا کسی اور صحابی کو صدیق اکبر پر فضلیت دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور صاف لفظوں کہا گیا ہے کہ :

اب (حضرت صدیق اکبر کی) افضلیت مطلقہ کے مدعی کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا جس نے مطلقہ کی قید بڑھائی جو ہمارے اسلاف کے ریکارڈ میں نہیں ملتی (۲۳۲)

(۲۴) ص ۳۵۵ سے آخر کتاب ص ۴۰۰ تک ان آیات قرآنی کی معنوی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے، جن سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائلین نے کسی بھی درجہ میں استدلال کیا ہے۔

اس طرح مسلک اہل سنت و جماعت کے برخلاف افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی افضلیت مطلقہ کے انکار پر اس ”مغز تحقیق“ کا اختتام کیا گیا ہے۔

●●●

ہم سب سے پہلے اصول موضوعہ کے طور پر چند ضروری فوائد عرض کر رہے ہیں، یہ ذہن نشیں رہیں تو صحیح نتیجے تک پہنچنا آسان ہوگا۔ اس کے بعد موضوع سے متعلق بالترتیب اجماع، قرآنی آیات، احادیث رسول، آثار صحابہ، فرامین اہل بیت اور اجل ائمہ، علما اور اکابر صوفیا کے اقوال پیش کریں گے۔ اس کے بعد اعتراض وجواب کی شکل میں پیش نظر کتاب ”زبدۃ التحقیق“ کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لیں گے۔ **واللہ ولیّ التوفیق وھو الھادی الی سواء الطریق.**

فائدہ نمبر(۱)

اجماع کی تعریف

کسی شرعی مسئلہ میں مجتہدین کے اتفاق کو اجماع شرعی کہتے ہیں۔
اور یہ اتفاق کبھی تو لفظی طور پر ہوتا ہے اور کبھی معنوی طور پر۔

اصول الفقہ للعیاض السلمی ج ۱ ص ۱۲۴ میں ہے:

الاجماع فی الاصطلاح: اتفاق مجتهدی الأمة الاسلامية فی عصر من العصور علی حکم شرعی۔

ترجمہ: کسی شرعی مسئلہ میں مجتہدین اسلام کے اتفاق کر لینے کو اجماع شرعی کہتے ہیں۔

اسی میں ہے:

وزادوا علی ذلك انه لا يشترط ان يتكلم الجميع بالحكم الشرعی بل يكفی ان يتكلم به بعضهم ويسكت الباقون۔

ترجمہ: علماے اصول نے مزید فرمایا: یہ شرط نہیں ہے کہ تمام مجتہدین نے حکم شرعی پر کلام کیا ہو بلکہ بعض کا کلام کرنا اور بعض کا سکوت اختیار فرمانا بھی کافی ہے۔

اجماع کی اقسام

اصول الفقہ للعیاض السلمی ج ۱ ص ۱۲۴ ہی میں ہے:

ينقسم الاجماع باعتبارات متعددة، اهمها: اقسامه من جهة تصريح المجتهدين بالحكم، وله من هذه الجهة ثلاثة اقسام:

(۱) الاجماع الصريح وهو ما صرح فيه اهل الاجماع بالحكم

(۲) الاجماع السكوتی وهو ان يصرح بعض المجتهدين بالحكم، ويشتهر قولهم ويسكت الباقون عن انكاره۔ الخ۔

(۳)..................................

ترجمہ: اجماع کی متعدد تقسیمات ہیں: سب سے اہم تقسیم کے تحت کئی اقسام ہیں جن میں مجتہدین کرام حکم کی صراحت فرماتے ہیں۔ اس اعتبار سے اجماع کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اجماع صریح: جس میں اہل اجماع حکم کی تصریح فرما دیں۔

(۲) اجماع سکوتی: جس میں بعض مجتہدین اس طور پر حکم کی تصریح فرمائیں کہ ان کی بات مشہور ہو جائے جب کہ دوسرے بعض مجتہدین اس بات سے انکار نہ کریں۔

(۳)..................................

الاجماع فی الشریعة الاسلامیة ج ا ص ۷۴ میں ہے :

(۱)الاجماع البیانی او الصریح، وھو یتنوع الی نوعین :
اجماع قولی واجماع عملی۔

الاجماع القولی :ھو ان یصرح کل واحد من جماعة المجتھدین بما یفید قبوله للرائ المعلن للاتفاق علیه فمثلا :لو افتیٰ بعض المجتھدین بحل عقود التامین، وصرح کل مجتھد معاصر بما یفید موافقته علی ذلك لأصبح اجماعا قولیا وحجة شرعیة۔

الاجماع العملی :وھو ان یقع العمل من کل واحد من جماعة المجتھدین کعملھم جمیعا فی المضاربة و الاستصناع فاذا وقع منھم ذلك کان اجماعا عملیا و حجة شرعیة۔۔۔

(۲)**الاجماع السکوتی**:ھو ان یصرح بعض المجتھدین برائه فی مسئلة اجتھادیة او یقوم بعمل کالتامین علی حیاته او اخذ (خلو رجل) سر قفلیة ویشتھر ذلك بین المجتھدین من اھل عصرہ و یسکتون بعد علمھم بذلك من غیر نکیر۔

ترجمہ :اجماع بیانی بلفظ دیگر اجماع صریح کی دوقسمیں ہیں:اجماع قولی اوراجماع عملی۔

اجماع قولی :جماعت مجتہدین کا ہر فرد ایسی صراحت کر

ے جس سے اعلان کردہ رائے کو ان کے قبول کر لینے کا فائدہ ہو کہ اس پر اتفاق ہو چکا ہے مثلا: اگر بعض مجتہدین عقود تامین کے حلال ہونے کو جائز قرار دیں اور ہر معاصر مجتہد اسی چیز کی تصریح کر دے جو بعض مجتہدین کے قول جواز کے موافق ہو تو بلاشبہ وہ اجماع قولی اور حجت شرعی قرار پائے گا۔

اجماع عملی: جس اجماع پر جماعت مجتہدین کے ہر فرد کا عمل ہو اسے اجماع عملی کہتے ہیں جیسا کہ مضاربت اور استصناع پر ان کا عمل ہے۔لہٰذا جب یہ صورت حال ہوگی تو وہ اجماع عملی اور حجت شرعی کہلائے گا۔۔۔

اجماع سکوتی :بعض مجتہدین کسی اجتہادی مسئلہ میں اپنی رائے کی تصریح فرما دیں، یا کوئی ایسا کام کریں مثلاً زندگی کا بیمہ کرائیں یا مکان ودکان پر پگڑی کا لین دین کریں اور ان کا یہ عمل اس زمانے کے مجتہدین کے درمیان مشہور ہو جائے اور وہ حضرات اس کو جاننے کے باوجود نکیر نہ کریں اور خاموش رہیں تو اجماع سکوتی کہلائے گا۔

اسی کے ص ۷۶ میں ہے:

یتنوع الاجماع الی نوعین :بسیط ومرکب، لان الامر لا یخلو اما ان یتفق اھل الاجماع فی عصر علی حکم واحد لحادثة ما او تتعدد الاحکام وینعقد الاجماع علی کل حکم منھا وھذا ما یسمی بالاجماع البسیط۔ واما

ان تعدد الاحکام ولا ینعقد الاجماع علی کل منها بل یتحزب کل فریق لرأی یخالف الآخر وھذا سمی بالاجماع المرکب۔

ترجمہ :اجماع کی دوقسمیں ہیں :بسیط اورمرکب؛اس لیے کہ ایک زمانے کے اہل اجماع کسی واقعہ کے ایک حکم یا چند احکام پر اتفاق کرلیں اوران احکام میں سے ہر ایک پر اجماع منعقد ہو جائے تو یہ اجماع بسیط کہلائے گااور اگر احکام چند ہوں مگر ان میں سے ہر ایک پر اجماع منعقد نہ ہوا ہو بلکہ ہر فریق اپنی منفرد راے رکھتا ہو جو دوسرے کی راے سے علیحدہ ہو تو یہ اجماع مرکب کہلائے گا۔

اجماع کے احکام اورمدارج

الاجماع فی الشریعة الاسلامیة ج ا ص۷۶ میں ہے :

ان الحکم المجمع علیه من علماء عصر یکتسب صفة القطعیة ویکون ملزما لجمیع افراد الامة یجب علیھم جمیعا اتباعه والعمل به۔۔۔الخ۔

ترجمہ:علمائے عصر کے مجمع علیہ حکم کوقطعیت حاصل ہوتی ہے جسے ماننا اوراس پرعمل پیرا ہونا امت کے ہر فرد پر لازمی ہوتا ہے۔

اجماع کے کئی مدارج ہیں:

(الف)وہ اجماع جس میں تمام مجتہدین شریک ہوتے ہیں۔ضروریات دین میں یہی اجماع ضروری ہوتا ہے ،اوراسی کے انکار پرحکم تکفیر ہے۔ وھذا ظاھر جدا۔

(ب) وہ اجماع جس میں صرف اہل سنت کے مجتہدین شریک ہوتے ہیں۔ضروریات اہل سنت میں یہی اجماع درکار ہوتا ہے۔اس اجماع کے منعقد ہوجانے کے بعداس کے انکار پرحکم تضلیل ہے۔

اصول الشاشی ص۷۸و۷۹ میں ہے:

اجماع الصحابة علی حکم الحادثة نصا، ثم اجماعھم بنص البعض وسکوت الباقیین عن الرد...... اما الاول فھو بمنزلة اٰیة من کتاب اللہ تعالیٰ ، ثم الاجماع بنص البعض وسکوت الباقیین فھو بمنزلة المتواتر۔

ترجمہ:صحابہ کرام نےجس نئے پیش آمدہ مسئلہ میں تنصیص کے طور پر اجماع کیا ہو، وہ اجماع کتاب اللہ کی آیت کے منزل میں ہے۔ اورجس پربعض صحابہ نے تنصیص کے طور پراجماع کیا ہو اور باقی حضرات اس سے خاموش رہے ہوں وہ اجماع ،حدیث متواتر کے منزل میں۔

اس پرحاشیہ قمر الاقمار میں ہے:

فھو بمنزلة المتواتر فی القطعیة و وجوب العمل به لکن لایکفر جاحده الخ۔

ترجمہ: یہ قطعی اور واجب العمل ہونے کے اعتبار سے متواتر

کے منزل میں ہے لیکن اس کے منکر کی تکفیر نہیں ہوگی۔الخ

خلاصۃ الافکار شرح مختصر المنارج ا ص ۱۶۲ میں ہے:

الاجماع الذی ثبت بنص البعض منهم وسکوت الباقیین وهٰذا لایکفرجاحد حکمه وان کان من الادلة القطعیة؛ لانه بمنزلة العام من النصوص. ثم اجماع من بعدهم من اهل کل عصر علی حکم لم یظهرفیه خلاف من سبقهم وهٰذا کالخبر المشهور یضلل جاحد حکمه و لایکفر. بمنزلة الاجماع السکوتی من الصحابة۔

ترجمہ: جس مسئلہ پر بعض صحابہ نے تنصیص کے طور اجماع کیا اور باقی حضرات خاموش رہے،انکارنہیں فرمایا،اس سے ثابت شدہ حکم اگرچہ قطعی ہوتا ہے مگر اس کے انکار پر تکفیر نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس کی قطعیت قرآن کریم کے لفظ ''عام'' کی قطعیت کی طرح ہوتی ہے۔اسی طرح جس مسئلہ میں صحابۂ کرام کا اختلاف منقول نہ ہواس مسئلہ میں بعد والوں کا اجماع خبر مشہور کے درجہ میں ہوتا ہے۔اس لیے اس سے ثابت شدہ حکم کے انکار پر بھی صرف تضلیل ہوگی تکفیر نہیں۔جیسے صحابۂ کرام کے اجماع سکوتی سے ثابت شدہ مسئلہ کے انکار پر تکفیر نہیں، صرف تضلیل ہوتی ہے۔

فتاوی عزیزی ص ۱۴۶ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اگرمخالف ادلۂ ظنیہ قریبۃ الیقین است مانند اخبار مشہورہ و اجماع عرفی گمراہ تواں فہمید، دون الکفر۔

[احادیث مشہورہ اور اجماع عرفی جیسے قریب الیقین ادلۂ ظنیہ کے مخالف کو گمراہ سمجھنا چاہئے، کافر نہیں۔]

بعض فقہا کبھی اس پر بھی کفر کا حکم لگادیتے ہیں جیسے: جنت میں رویت باری اور عذاب قبر کا انکار۔

فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۸۵ میں ہے:

یکفر بانکار رویة الله عز وجل بعد دخول الجنة وبانکار عذاب القبر۔

ترجمہ: جنت میں جانے کے بعد اللہ عزوجل کی رویت،اور عذاب قبر کے انکار کرنے والے کو کافر کہا جائے گا۔

(ج) وہ اجماع جس میں جمہور اہل سنت شریک ہوتے ہیں۔اس کے انکار پر حکم تفسیق ہے۔اور بعض فقہا کبھی اس پر بھی گمرہی کا حکم لگادیتے ہیں۔

انتباہ: قرآنی آیت بظاہر کئی معنوں کی محتمل ہو،لیکن کسی معنی پر اجماع ہو جائے تو اب وہ معنی اجماعی، قطعی ہوجاتا ہے۔اسی طرح خبر واحد کے مضمون پر اجماع ہوجائے تو اب وہ ظنی نہیں رہتا، بلکہ قطعی ہوجاتا ہے۔

اصول الفقہ للعیاض السلمی ج ا ص ۱۲۹ میں ہے:

فکثیرمن آیات القرآن واحادیث الرسول صلی الله علیه و سلم لوجردنا النظر الیها عما فهمه الصحابة و التابعون لما قطعنا بمقتضاها، ولأمکن حملها علی

احتمالات کثیرۃ و لکن لما عرفنا اتفاق الصحابۃ و
التابعین علی تفسیرھا لم یجز لنا ان نتاولھا علی
خلافہ، فھذہ الادلۃ لوخلت عن الاجماع لکانت ظنیۃ،
لکنھا معہ صارت قطعیۃ۔

ترجمہ : بہت سی آیات واحادیث ایسی ہیں جن میں بظاہر کئی
کئی معنوں کے احتمالات ہیں۔ اگر صحابہ وتابعین کے سمجھے
ہوئے معنی سے قطع نظر کیا جائے توان آیات واحادیث کے
مقتضی یقینی نہیں ہوسکیں گے۔اسی لیے جب ایسی آیات
واحادیث کی کسی تفسیر پرصحابہ وتابعین کا اتفاق معلوم ہوجائے
تواب ہمارے لیے کسی دوسرے احتمالی معنی کومراد لینادرست
نہیں ہوگا۔ الغرض! اس طرح کی آیات واحادیث کے معنی
پراجماع نہ ہوتو وہ ظنی ہوں گی مگر جب اجماع ہوتواب وہ قطعی
ہوجائیں گی۔

معالم اصول الفقہ ص ۱۸۴ میں ہے:

ان الاجماع قد یجعل الدلیل المجمع علیہ قطعیا بعد
ان کان فی الاصل ظنیا، کحدیث الآحاد الذی اجمعت
الامۃ علی قبولہ والعمل بہ۔

ترجمہ: دلیل ظنی پراجماع ہوجائے تواب وہ ظنی نہیں رہتی
بلکہ قطعی ہوجاتی ہے جیسے وہ آحاد حدیثیں جن کے قبول وعمل
پرامت نے اجماع کرلیا ہو۔

مواقف مع شرح المواقف، المرصد الرابع فی الامۃ، ج۸ ص ۳۵۰ مطبوعہ
ایران میں ہے:

ان الصحابۃ عملوا بمضمون ھذا الحدیث واجمعوا علیہ
فصار قاطعاً۔

[صحابہ نے اس حدیث کے مضمون پرعمل کیا اوران کا اس
پراجماع ہوگیا تووہ دلیل قطعی ہوگئی]۔

فواتح الرحموت ج۲ ص۸۰ میں ہے:

لو ثبت ان اھل الاجماع تمسکوا بھذا الخبر (الواحد)
فصار مقطوعا کالمتواتر بل فوقہ ، اذ لایتوھم فی
الاجماع للخطاء وانما منع نسخ خبر الواحد للمتواتر اذا
لم یعتضد بما یفید القطع، وھھنا قد اعتضد بالاجماع
المصیر ایاہ قطعیا۔

ترجمہ: یہ ثابت ہو کہ اہل اجماع نے اس خبر واحد سے استدلال
کیا ہے تو وہ خبر واحد متواتر کی طرح، بلکہ اس سے بڑھ کر قطعی
ہوجائے گی؛ کیوں کہ خطا پر اجماع کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔
خبر واحد سے متواتر اس وقت منسوخ نہیں ہوتی ہے جب اس
کی تائید دلیل قطعی سے نہ ہو اور یہاں اسے قطعی بنا دینے والے
اجماع سے تائید ہوچکی ہے۔

فواتح الرحموت ج۲ ہی کے ص۱۹۱ میں ہے:

ان الاجماع مرجح ومقدم علی الکل عند معارضتہ

ایاھا؛ لانه لایکون منسوخا بکتاب اوسنة ولایکون باطلا، فتعین ان یکون الکتاب والسنة ولوکانت متواترة منسوخة والاجماع کاشف عن النسخ فعند تعارض الآیتین اوالسنتین ووجود الاجماع یعمل بما وافقه الاجماع لما خالفه الخ۔

ترجمہ: اجماع اور کتاب وسنت میں تعارض ہوتو کتاب وسنت کی وجہ سے اجماع منسوخ یا باطل قرار نہیں پائے گا۔اس لیے متعین ہے کہ کتاب وسنت ہی منسوخ ہے اگرچہ سنت متواترہ ہو،اور اجماع ان کے منسوخ ہونے کا کاشف ہے۔پس جب دوآیتوں یا دوسنتوں میں تعارض ہواور اجماع موجود ہوتوجس کی موافقت میں اجماع ہوعمل اسی پر کیا جائے گا۔

●●●

فائدہ نمبر ۲

قطعی کی اقسام

قطعی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عام قطعی جس میں تمام اہل قبلہ شریک ہوں، چاہے بدمذہب ہی سہی۔ اسی کو قطعی بالمعنی الاخص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس میں ظن کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں رہتا ہے۔ضروریات دین میں یہی قطعی ہوتی ہے۔

(۲) خاص قطعی جس میں تمام اہل قبلہ نہیں، تمام اہل سنت شریک ہوں۔اسی کو قطعی بالمعنی الاعم اور ظنی بالمعنی الاخص کہا جاتا ہے ۔ضروریات اہل سنت میں یہی ہوتی ہے۔

(۳) اخص قطعی جس میں تمام اہل سنت بھی نہیں، صرف وہ افراد شریک ہوں جن کو قرائن کی بنیاد پر جزم ہوجاتا ہے۔یہ قطعی اصل کے اعتبار سے تو ظنی واجتہادی ہی ہوتی ہے مگر قرائن کی وجہ سے کسی کے نزدیک قطعی بھی کہلاتی ہے۔

المعتمد المستند ص ۱۶۴ میں ہے:

ان القرائن السابقة واللاحقة ربما تعین علی تعیین المراد۔

ترجمہ: بسااوقات قرائن سابقہ ولاحقہ معنیٰ مراد کی تعیین میں مددگار ہوتے ہیں۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۶۶ میں ہے:

ان القرینة قد تفید القطع۔

ترجمہ: کبھی قرینہ بھی یقین کا افادہ کرتا ہے۔

اسی کے ص ۲۱۲ پر ہے:

وانت لایذهب علیك ان القرائن الخارجیة ربما تفید العلم عادة۔

ترجمہ: تم سے یہ بات مخفی نہیں کہ بسا اوقات قرائن خارجیہ سے بھی عادتاً یقین ہو جاتا ہے۔

الجود الحلو میں ہے:

القطع علی ثلثة اوجه:

قطع عام یشترك فیه الخواص والعوام وهو الحاصل فی ضروریات الدین۔

وخاص یختص بمن مارس العلم، وهو الحاصل فی سائر الفرائض الاعتقادیة المجمع علیها۔

الثالث قطع اخص یختلف فی حصوله العلماء کما یختلف فی حصول الثانی العوام والعلماء، فربما یودی ذهن عالم الی قرائن هجمت وحفت، فرفعت عنده الظنی الی منصة الیقین ولاتظهر ذلك لغیره، اوتظهر فتظهر له معارضات تردها الی المرتبة الاولی من الظن واعتبره بمسئلة سمعها صحابی من النبی ﷺ شفاها،

وبلغ غیره باخباره فهو قطعی عنده، ظنی عندهم۔

ترجمہ: قطعی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عام قطعی: جس میں خواص وعوام سبھی شریک ہوتے ہیں۔ (اسی کو، قطعی بالمعنی الاخص کہا جاتا ہے) یہ معنی ضروریات دین میں پایا جاتا ہے۔

(۲) خاص قطعی: یہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے جو علمی تبحر رکھتے ہیں۔ یہ ان تمام فرائض اعتقادیہ میں پایا جاتا ہے، جن پر (اہل سنت کے) تمام ائمہ کا اتفاق ہوتا ہے۔ (اسی کو قطعی بالمعنی الاعم کہتے ہیں)

(۳) اخص قطعی: جس کے حصول میں (اہل سنت کے) علما کا اختلاف ہوتا ہے جس طرح دوسری قسم کے حصول میں عوام اور علما کا اختلاف ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک عالم کا ذہن کثرت قرائن کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس کے نزدیک دلیل ظنی کو یقین کے مقام تک پہنچا دیتی ہے جب کہ یہ قرائن دوسرے عالم کو حاصل نہیں ہوتے۔ یا۔ اس کے نزدیک یہ قرائن تو ظاہر ہوتے ہیں، لیکن ان کے مخالف قرائن بھی سامنے ہوتے ہیں جن کی بنا پر وہ دلیل پھر اپنے اس ظنی مقام پر چلی جاتی ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی صحابی نے ایک مسئلہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے براہ راست سنا اور وہی مسئلہ ان کے بیان کرنے سے کسی تابعی

کو پہنچا، تو وہ مسئلہ اس صحابی کے نزدیک تو قطعی ہوا اور
دوسروں کے لیے ظنی رہا۔

اسی کے منہیہ میں ہے:

فان سطوع انوار الحجج الالٰهية ربما يبلغ عنده مبلغا
يقول :اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل وعن هٰذا ربما
اول القطعيات الآتية على خلاف ما عن له كما وقع
لسيدنا ابي ذر رضى الله تعالى عنه في مسئلة الكنز،
وقوله في سيدنا عبد الرحمن بن عوف رضى الله عنه
ماقال مع القطعيات الواردة في حق بدريين عموما
والعشرة المبشرة خصوصا رضى الله تعالى عنهم
احسن الرضا، وعن هٰذا ترى ائمتنا وغيرهم قائلين في
كثير من الاجتهاديات المختلف فيها بين الائمة ان
هٰذا مما لايسوغ الاجتهاد فيه حتى ينقض القضاء به
كحل متروك التسمية عمدا وغير ذٰلك فهو مع علم
الخلاف جازم بالحكم ومع جزمه به منكر للاكفار
بالخلاف والانكار، وهٰذا الذى اشرت اليه علم
عزيز عليك ان تحتفظ به فانه يحل باذن الله تعالىٰ عقدا
حار في حلها حائرون وبار بجهلها بائرون، والله يهدى من
يشاء الى صراط مستقيم۔

ترجمہ: بعض اوقات دلائل ربانیہ کے انوار کی روشنی اس

کے نزدیک اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: جب
اللہ تعالیٰ کی نہر آتی ہے تو عقل کی نہر باطل ہو جاتی ہے۔ اسی
لیے وہ بعض اوقات ان امور قطعیہ کی تاویل کر دیتے ہیں جو ان
کے نزدیک ثابت شدہ امور کے خلاف ہوتے ہیں جیسا کہ سیدنا
ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے ’’کنز‘‘ کے مسئلہ میں واقع ہوا۔ اسی
طرح انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے
بارے میں وہ کچھ فرمایا جو فرمایا۔ حالاں کہ بدری صحابہ کے
بارے میں عموماً اور عشرۂ مبشرہ کے بارے میں خصوصاً قطعی
بشارتیں وارد ہو چکی ہیں۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ ہمارے
ائمہ اور دوسرے حضرات بہت سے ان مسائل کے بارے میں
جن میں ائمہ کا اختلاف ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ ان میں اجتہاد
جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ کسی قاضی نے ان کے خلاف
فیصلہ دے دیا تو وہ فیصلہ توڑ دیا جائے گا مثلاً اس جانور کا حلال
ہونا جس پر ذبح کے وقت جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا
ہو۔ تو یہ حضرات مخالفت کا علم ہونے کے باوجود حکم پر جزم رکھتے
ہیں، اور جزم کے باوجود منکر اور مخالف کی تکفیر نہیں کرتے
ہیں۔ یہ بات، جس کی طرف میں نے اشارہ کیا، وہ علم عزیز ہے
جس کا یاد رکھنا بہت ضروری ہے، کیوں کہ اس کی بدولت
بہت سی ایسی گرہیں کھل جائیں گی جن کے کھولنے میں بہت
سے علما حیران ہو گئے اور بہت سے لوگ اپنی جہالت کی وجہ

سے ہلاک ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

●●●

فائدہ نمبر ۳

ظنی کی اقسام

ظنّی، قطعی کی ضد ہے تو جس طرح قطعی کی تین قسمیں ہیں، اسی طرح ظنی کی بھی تین قسمیں ہوں گی:

(۱) عام ظنی جس کی ظنّیت کے بارے میں تمام اہل قبلہ متفق ہوتے ہیں۔ اس سے بالاتفاق کسی عقیدہ کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔

(۲) خاص ظنی جس کی ظنّیت کے بارے میں اہل سنت وغیر اہل سنت کے درمیان اختلاف ہوتا ہے۔ اسی کو ظنی بالمعنی الاخص اور قطعی بالمعنی الاعم کہتے ہیں۔ اس سے جمہور مسلمین کے عقیدے کا ثبوت ہوجاتا ہے۔ یعنی اس عقیدہ کے ضروریات اہل سنت سے ہونے میں فرق نہیں پڑتا ہے۔

(۳) اخص ظنی جس کی ظنّیت کے بارے میں علمائے اہل سنت ہی کے درمیان اختلاف ہوتا ہے۔ جمہور اہل سنت اسے قطعی سے ملحق کرتے ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں وہ ظنی ہی ہے۔ اس سے جمہور اہل سنت کے عقیدے کے ثبوت میں فرق نہیں پڑتا ہے۔

●●●

فائدہ نمبر ۴

قطعیت وظنیت کا مدار کبھی روایت وثبوت پر ہوتا ہے۔ اس لیے:

(۱) حسن وصحتِ روایت سے ظن عام پیدا ہوتا ہے۔

(۲) شہرتِ روایت سے خاص ظن جو قطع بالمعنی الاعم اور خاص قطع جو ظن بالمعنی الاخص ہے، پیدا ہوتا ہے۔

(۳) تواتر سے کسی بھی معنی میں ظن نہیں رہتا، قطع عام ہوجاتا ہے جس کو قطعی بالمعنی الاخص کہتے ہیں۔

فواتح الرحموت ج ۲: ص ۱۳۶ : مطبوعہ دار الکتب العلمیہ میں ہے:

یوجب الخبر المشهور ظنا قویا کانه الیقین الذی لامساغ للشبهة والاحتمال الناشئین عن دلیل فیه اصلا و یسمی هٰذا الظن علم الطمانینة وهوالذی قد یعبر عنه بالیقین فیما یقال الخاص مفید للیقین وهو العلم الذی لایحتمل الخلاف احتمالا ناشئا عن دلیل بل لو کان احتمال کان غیر معتدبه، صرح به صدر الشریعة۔

اور کبھی ان کا مدار دلالت واثبات پر ہوتا ہے:

(۱) عام خص عنہ البعض سے ظن ہوتا ہے۔

نورالانوار ص ۷۴ میں ہے:

فان لحقه خصوص معلوم او مجهول لایبقی قطعا لکنه

لایسقط الاحتجاج ای :ان لحق هٰذا العام الذی کان قطعیا مخصص معلوم المراد او مجهول المراد فالمختار انه لاتبقی قطعیته ولکن یجب العمل به کما هو شان سائر الدلائل الظنیة من خبر الواحد والقیاس۔

ترجمہ: عام جو قطعی ہوتا ہے اس کو خصوص معلوم یا مجہول لاحق ہوجائے تو قول مختار یہ ہے کہ وہ قطعی نہیں رہتا مگر اس سے احتجاج ساقط نہیں ہوجاتا، بلکہ خبر واحد اور قیاس جیسے ظنی دلیلوں کی طرح اس کے مطابق عمل کرنا واجب رہتا ہے۔

(۲) ظاہر ونص سے ظن قوی ہوتا ہے جس کو ظنی بالمعنی الاخص کہتے ہیں اور قطعی بالمعنی الاعم بھی۔

نورالانوار ص ۹۰ میں ہے:

ولما احتمل هٰذا الاحتمال النص کان الظاهر الذی هو دونه اولیٰ بان یحتمله و لکن مثل هٰذه الاحتمالات لاتضر بالقطعیة۔ [جب نص میں احتمال رہتا ہے تو ظاہر جو اس سے کم درجہ کا ہے اس میں بدرجہ اولیٰ رہے گا، مگر اس طرح کے احتمالات قطعیت کی منافی نہیں]۔

(۳) اور مفسر سے قطع عام ہوجاتا ہے جس کو قطعی بالمعنی الاخص کہتے ہیں۔

نورالانوار ص ۹۰ میں ہے:

اما المفسر فما ازداد وضوحا علی النص علی وجه لایبقی معه احتمال التاویل والتخصیص۔

[مفسر میں نص سے زیادہ وضاحت ہوتی ہے، چناں چہ اس میں تاویل وتخصیص کا احتمال باقی نہیں رہتا ہے]۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۹ میں ہے:

حکم الکل وجوب العمل قطعا، ویقینا لکن فی الاولین مع احتمال التاویل مرجوحا اشد المرجوحیة اودونها وفی الاخیرین مع عدم احتمال الانصراف اصلا ولومرجوحا وهو الیقین بالمعنی الاخص وهو المراد فی الاعتقادیات، وما وقع من عبارات بعض المشائخ رحمهم الله تعالیٰ: ان النص والظاهر ظنیان فی الدلالة و المفسر والمحکم قطعیان فمرادهم الظن بالمعنی الاعم والقطع بالمعنی الاخص۔

ترجمہ: ظاہر، نص، مفسر، محکم سبھی قطعی ویقینی ہوتے ہیں، لیکن ظاہر ونص میں تاویل مرجوح کا احتمال رہتا ہے۔ اور مفسر ومحکم میں تاویل مرجوح کا بھی احتمال نہیں رہتا، اسی کو یقین بالمعنی الاخص کہتے ہیں۔ (اصولی) اعتقادیات میں یقین سے یہی یقین مراد ہوتا ہے۔ بعض مشائخ کی عبارتوں میں جو یہ آیا ہے کہ ظاہر ونص ظنی الدلالۃ اور مفسر ومحکم قطعی الدلالۃ ہیں تو وہاں مراد ظن بالمعنی الاعم اور یقین بالمعنی الاخص ہے۔

تنبیہ:

نور الانوار ص ۹۲ میں ہے:

ویظهر التفاوت عند التعارض لیصیر الادنی متروکا بالاعلیٰ یعنی لایظهر التفاوت بین هٰذه الاربعة فی الظنیة والقطعیة لان کلها قطعیة وانما یظهر التفاوت عند التعارض فیعمل بالاعلیٰ دون الادنی فاذا تعارض بین الظاهر والنص یعمل بالنص واذا تعارض بین النص والمفسر یعمل بالمفسر .. لکن هٰذا التعارض انما هو التعارض الصوری لاالحقیقی لان التعارض الحقیقی هو التضاد بین الحجتین علی السواء لامزید لاحدهما وههنا لیس کذالك۔

ترجمہ: ان میں تعارض کے وقت فرق ظاہر ہوتا ہے چناں چہ اعلیٰ کی موجودگی میں ادنیٰ متروک ہوجاتا ہے۔ یعنی ظاہر، نص، مفسر اور محکم میں ظنیت وقطعیت کا فرق نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ سبھی قطعی ہیں۔ البتہ تعارض کے وقت ان میں فرق ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیٰ پر عمل کیا جائے گا اور ادنیٰ کو چھوڑ دیا جائے گا یعنی ظاہر ونص میں تعارض ہو تو نص کے مطابق عمل ہوگا اور نص ومفسر میں تعارض ہو تو مفسر کے مطابق عمل ہوگا۔

یاد رہے کہ یہاں تعارض سے حقیقی تعارض نہیں، بلکہ صوری تعارض مراد ہے؛ کیوں کہ حقیقی تعارض دو برابر کی دلیلوں میں تضاد کو کہتے ہیں جب کہ یہاں ایسا نہیں ہے۔

اسی لیے اقویٰ کے مقابلہ میں قوی، قوی کے مقابلہ میں ضعیف، اور ضعیف کے مقابلہ میں اضعف سے استدلال باطل ہے۔ البتّہ کسی بات کو اقویٰ دلیل سے ثابت کردینے کے بعد قوی دلیل، یا قوی دلیل سے ثابت کردینے کے بعد ضعیف دلیل اور ضعیف دلیل کے بعد اضعف دلیل کو بھی تاکید وتقویت کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں کسی کسی مسئلہ پر قرآن کریم سے استدلال کے بعد حدیث پھر قیاس سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۲۳۹ میں ہے:

ان الفائدۃ لیست منحصرۃ فیہ بل تعاضد الدلیل بدلیل من الفوائد۔

ترجمہ: فائدہ اثبات ہی میں منحصر نہیں ہے، بلکہ دلیل سے دلیل کی موافقت بھی ایک فائدہ ہے۔

●●●

فائدہ نمبر ۵

افضل، اَفْعَلُ کے وزن پر اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس میں معنیٰ حقیقی کے اعتبار سے دوسرے کی بہ نسبت زیادتی ہوتی ہے، اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ افضل ومفضول دونوں میں ایک ہی قسم کی فضیلت ہے، مگر افضل میں وہ فضیلت زیادہ ہے اور مفضول میں کم۔ جیسے علم نحو میں عمرو کو جتنا درک ہو، زید کو بھی علم نحو ہی میں اس سے زیادہ درک ہو تو کہا جائے گا کہ علم نحو میں زید عمرو سے اعلم ہے۔ یہ نہیں کہ عمرو کو منطق میں درک ہو اور زید کو لغت میں، تو دونوں میں تقابل کیا جائے اور کہا جائے کہ زید عمرو سے اعلم ہے۔

علم الصیغہ میں ہے:

فرق درمعنئ صیغۂ مبالغہ واسم تفضیل این است کہ درصیغۂ مبالغہ منظور زیادت می باشد درمعنئ فاعلیت فی حدذاتہ نہ بنظر بہ دیگرے۔ دراسم تفضیل زیادت منظور می باشد نظر بہ دیگرے، اضرب من زید یا اضرب القوم خواہند گفت زنندہ تراست اززید یا زنندہ تراست ازقوم۔۔۔ ومعنئ ضرّاب زیادہ زدندہ است وبس، نسبت بہ کسے ملحوظ نیست۔

ترجمہ: مبالغہ اور اسم تفضیل میں فرق یہ ہے کہ مبالغہ کے اندر فاعلیت کے معنی میں فی حدذاتہ زیادتی منظور ہوتی ہے دوسرے کی بہ نسبت نہیں اور اسم تفضیل میں زیادتی دوسرے کی بہ نسبت

منظور ہوتی ہے۔ اضرب من زید کے معنی ہیں زید سے زیادہ مارنے والا۔ اضرب القوم کے معنی ہیں قوم سے زیادہ مارنے ولا۔ اس کے برخلاف ضرّاب کے معنی ہیں زیادہ مارنے والا۔ اس میں یہ ملحوظ نہیں ہے کہ وہ کسی سے زیادہ مارنے والا ہے۔

اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ افضل میں صفت فضیلت ہوتی ہے اور مفضول میں نہیں ہوتی، جیسے زید عالم ہو اور عمرو جاہل، تو کہا جاتا ہے کہ زید عمرو سے افضل ہے۔

شرح مواقف ج۸ ص ۴۰۵ میں ہے:

قال الآمدی :قد یراد بالتفضیل اختصاص احد الشخصین عن الآخر اما باصل فضیلة لاوجود لها فی الآخر کالعالم والجاهل۔

ترجمہ: آمدی نے کہا ہے کہ تفضیل سے کبھی یہ مراد ہوتی ہے کہ دو شخصوں میں سے ایک شخص میں وہ صفت ہوتی ہے اور دوسرے میں نہیں، جیسے عالم و جاہل۔

افضلیت کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) افضلیت جزئیہ یعنی افضل ،فضیلت کے کسی خاص باب میں بڑھا ہوا ہو، جیسے: زید عمرو سے علم نحو میں افضل ہے یا زید عمرو سے علم منطق میں افضل ہے۔

(۲) افضلیت کلیہ افرادیہ یعنی افضل ،فضیلت کے ہر باب میں مفضول سے بڑھا ہوا ہو۔

(۳) افضلیت کلیہ مجموعیہ یعنی افضل مجموعی طور پر مفضول سے بڑھا ہوا ہو۔ جیسے انسان مجموعی طور پر فرشتوں سے اور مرد مجموعی طور پر عورت سے افضل ہے۔ اسی کو افضلیت مطلقہ بھی کہتے ہیں، جس کی تعبیر فرد کامل سے کی جاتی ہے۔

تفسیر روح المعانی ج۴ ص ۱۷۳، تقریرات الرافعی علی رد المحتار ج۱ ص ۴۲۷، عنایۃ القاضی ج۴ ص ۲۶۳ ،حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج۹ ص ۴۴، حاشیۃ غمز عیون البصائر ج۱ ص ۱۳۳ اور نورالانوار ص ۸۳ میں ہے:

ان المطلق ینصرف الی الفرد الکامل فی حق الذات ۔ (ملتقطاً)

[مطلق سے ذات کے حق میں فرد کامل مراد ہوتی ہے۔]

توضیح، ص ۱۱۸ میں ہے:

قال علمائنا رحمهم الله :المطلق ینصرف الی الفرد الکامل ای الکامل فیما یطلق علیه هذا الاسم کالماء المطلق لاینصرف الی ماء الورد۔

[ہمارے علما نے فرمایا ہے کہ مطلق سے مراد، فرد کامل ہوتی ہے یعنی جس پر اس اسم کا اطلاق ہوتا ہے اس کا فرد کامل۔ اسی لیے ماے مطلق سے گلاب کا پانی خارج ہے۔]

لہٰذا زید کو جتنے مسائل یاد ہوں بکر کو بھی اتنے ہی مسائل یاد ہوں، مگر زید کو ان کی معرفت دلائل کے ساتھ ہو اور بکر کو دلائل کے بغیر، تو علی الاطلاق کہیں گے کہ زید بکر سے افضل ہے۔

افضلیت جزئیہ اور افضلیت مطلقہ میں منافات نہیں ہے ۔یعنی ہوسکتا ہے

کہ زید کو عمرو پر افضلیت مطلقہ حاصل ہو اور عمرو کو زید پر افضلیت جزئیہ۔ جیسے زید وعمرو دونوں مال دار ہوں مگر زید کے پاس ۱۰۰ گرام سونا اور ۱۰۰ گرام چاندی ہو اور عمرو کے پاس ۵۰ گرام سونا اور ۲۰۰ گرام چاندی، تو زید کو عمرو پر ایسریت مطلقہ حاصل ہوگی اور عمرو کو زید پر ایسریت جزئیہ، یعنی مال داری میں زید بڑھا ہوا ہے اگرچہ چاندی کے لحاظ سے عمرو بڑھا ہوا ہے۔

تکمیل الایمان، از شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی ص ۱۵۴ میں ہے:

وآمدی کہ از علماے اصول فقہ وکلام است می گوید۔۔۔ ”یک فضیلت بجہت زیادت شرف ونفاست راجح تر از صد فضیلت آید چنانچہ یک گوہر بہ قیمت زیادہ تر از صد ہزار درہم بود پس تواند کہ صاحب آں فضیلت را نزد اللہ تعالیٰ اجرے وثوابے بود کہ ارباب فضائل کثیرہ را نبود۔

ترجمہ: علامہ آمدی جو اصول فقہ اور کلام میں اونچا مقام رکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: شرف ونفاست کی زیادتی میں ایک فضیلت بھی سو فضیلتوں پر بھاری ہوسکتی ہے جیسے ایک موتی ایک لاکھ درہم سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ کسی ایک فضیلت والے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ثواب ہو جو بہت سے ثواب والوں کا نہ ہو۔

مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ”شرح آداب المریدین“ ص ۱۱۴ : میں فرماتے ہیں :

خضر را فضلِ مقید بود و آں علم لدنی است وموسیٰ علیہ السلام را فضلِ

مطلق بود، و فضلِ مقید، مبطلِ فضلِ مطلق نیست، چناں کہ فضل مریم پارسا را و آں فرزند بے مساسِ بشر است، باطل نکند فضلِ عائشہ وفاطمہ را کہ ایشاں را فضلِ مطلق بود بر جملہ نساے عالم۔

ترجمہ: حضرت خضر کا فضل، مقید (جزئی) تھا یعنی علم لدنی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا فضل، مطلق تھا۔ فضلِ مقید (جزئی) فضلِ مطلق کو باطل نہیں کر دیتا جیسے حضرت مریم عفیفہ کا فضل، اس بات میں ہے کہ کسی بھی انسان کے مس کئے بغیر آپ کو اولاد ہوگئی، مگر اس سے دنیا کی ساری عورتوں پر حضرت عائشہ صدیقہ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کی افضلیت مطلقہ باطل نہیں ہوگئی۔

●●●

فائدہ نمبر ۶

شرعی اعتبار سے افضلیت کی قسمیں

شرعی اعتبار سے افضلیت کی دو قسمیں ہیں :

(الف) ظاہری افضلیت یعنی نیک اعمال جیسے نماز، روزے وغیرہ کی زیادتی جسے دیکھ کر لوگ یہ کہہ سکیں کہ فلاں، فلاں سے افضل ہے۔

(ب) باطنی افضلیت یعنی خلوص دل اور اجر وثواب کی زیادتی جو محض فضل رحمانی ہے جسے بغیر اللہ ورسول کے بتائے کوئی نہیں جان سکتا۔ **واللہ یختص برحمتہ من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم** (البقرہ :۱۰۵)

کفایة الطالب الربانی شرح رسالۃ ابن ابی الزید القیروانی از فقیہ ابوالحسن علی بن محمد مصری (پ ۸۵۷ـ م ۹۳۹ ھ) میں ہے:

الخیریة المذکورة اما باعتبار الباطن و کثرة الثواب و رفع الدرجات، و ذلك لا یعلم الا بخبر۔۔ واما باعتبار الظاهر و لا یحصل ذلك الا بالتفاوت فی خصال الفضائل۔ فمن کثرت فیه فهو افضل فی الظاهر دون الباطن، فکم من قلیل العمل افضل من کثیره۔

ترجمہ : افضلیت یا تو باطن، کثرت ثواب اور درجات کی بلندی کے اعتبار سے ہوگی ۔۔۔ جس کا علم، خبر کے بغیر نہیں

ہوسکتا۔ یا۔ ظاہر کے اعتبار سے ہوگی جو اچھی خصلتوں میں تفاوت سے حاصل ہوتی ہے، تو جن کے اندر زیادہ اچھی خصلتیں ہوں گی وہ ظاہراً افضل ہوں گے، باطناً نہیں؛ کیوں کہ بسا اوقات کم عمل والے بھی زیادہ عمل والوں سے افضل ہوتے ہیں۔

●●●

فائدہ نمبر ۷

عقائد وہ ہوتے ہیں جو شارع علیہ السلام ،صحابہ کرام ،تابعین عظام اور اسلاف فخام رضی عنہم اللہ الملک العلام سے ثابت ہوں۔

خیر القرون میں یہ ایک سے دوسرے تک زبانی منتقل ہوتے رہے ۔پھران کی تدوین ہوئی اورسادہ انداز میں کتابوں کے اندردرج کیے گئے جن کو متون کہا جاتا ہے۔

جب بدمذہبی پھیلی اورگم راہوں نے مغالطہ آمیز عقلی ونقلی دلائل پیش کرکے عوام کوان عقائد کے بارے میں متزلزل ومشکوک کرناشروع کیا،توعلماے اہل سنت وجماعت کوضرورت پڑی کہ وہ عقائد پردلائل پیش فرمائیں،گمراہوں کے مغالطوں کا جواب دیں ۔اس لیے انہوں نے دلائل وجواب پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں۔

انسانی اذہان چوں کہ مختلف ہوتے ہیں اس لیے دلائل پیش فرمانے اور جواب دینے میں ان کی رائیں مختلف ہوگئیں۔کسی نے ایک دلیل پیش کی، دوسرے کی نظر میں وہ دلیل کمزور محسوس ہوئی توانہوں نے اس پراعتراض کردیا۔ مقصود یہ تھا کہ ایسی دلیل پیش کی جانی چاہئے جس پر مخالف کوکچھ کہنے کاموقع نہ مل سکے۔ پھر کہیں تواس کو" ولقائل ان یقال [کوئی کہنے والا کہ سکتا ہے] "، کہیں "قیل [کہا گیا ہے]" ،کہیں "یقال [کہا جاتا ہے] "،کہیں "لِمَ لایقال [کیوں نہیں کہا جائے گا؟]"اورکہیں قارئین کی سمجھ پراعتماد کرتے

ہوئے مخالفین کے انداز میں "لانسلم [ہمیں تسلیم نہیں]" سے تعبیر کرکے بحث کی۔

شرح مقاصد ج۱ ص۲۱۶ میں ہے:

"کثیرا ماتورد الآراء الباطلة للفلاسفة من غیر تعرض لبیان البطلان.

[بسااوقات فلاسفہ کے باطل آرا کوان کابطلان بتائے بغیر پیش کردیا جاتا ہے]"

مواقف میں ہے:

"انت تعرف مذهب اهل الحق وانما لانتعرض لامثاله للاعتماد علی معرفتك بها فی مواضعها.

[تم اہل حق کے مذہب سے تو واقف ہو،تمہاری اس معرفت کی بنا پر ہی ہم ایسے مقامات میں اس سے تعرض نہیں کرتے ہیں]"

شرح مواقف ج۵ ص۲۴۴ میں ہے:

"فعلیك برعایة قواعد اهل الحق فی جمیع المباحث وان لم نصرح بها.

[تم پر لازم ہے کہ تمام مباحث میں اہل حق کے قواعد کالحاظ کرو اگرچہ ہم وہاں اس کی تصریح نہ کریں]"

چناں چہ اسلام کا بنیادی عقیدہ،عقیدۂ توحید ہے ۔اس کے ثبوت میں متکلمین نے قرآن حکیم،سورۂ انبیا کی بائیسویں آیت پیش کی ہے:لو کان

فیھما آلھة الا اللہ لفسدتا [اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو آسمان وزمین ضرور تباہ ہوجاتے]ــــــ اس پر علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ نے ''شرح عقائد'' میں لکھا کہ یہ دلیل اقناعی ہے یعنی اس سے خدا کا ایک ہونا ظنی طور پر ثابت ہوتا ہے، یقینی طور پر نہیں۔

اسی طرح اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ علم الٰہی غیر متناہی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ اس پر ملا احمد خیالی نے حاشیہ منہیہ میں اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے خیالی کے حاشیہ میں لکھا کہ مفصل طور پر غیر متناہی مراتب میں علم کے تعلق کا امکان ممنوع ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جہل لازم آئے گا تو میں کہوں گا کہ جن چیزوں سے علم کا تعلق صحیح ہے، علم الٰہی کا تعلق انہیں سے ہوگا اس لیے جہل لازم نہیں آئے گا۔

یوں ہی اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خداے پاک وبے عیب کے حق میں جھوٹ بولنا محال بالذات ہے۔ اس پر مُلا عبد الحکیم سیالکوٹی نے لکھا کہ ہم محال بالذات نہیں مانتے؛ کیوں کہ اگر محال بالذات ہوتا تو کسی سے جھوٹ بولنے کا وجود نہیں ہوتا۔ لہذا یہ محال بالغیر ہے تو ممکن بالذات ہوا۔

مگر چوں کہ دلائل کی کمزوری نہ بتانے یا ان کے بطلان کا اظہار نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ معترض کے نزدیک وہ عقیدہ کمزور یا باطل ہے۔ اس لیے یہ نہیں مانا جائے گا کہ ان اہل علم وفضل کے اعتقادات، معاذ اللہ! ان کفری یا گمرہی باتوں کے مطابق تھے۔

ان فوائد کو ذہن میں رکھ کر اب اصل موضوع کے جائزہ کی طرف رخ کیجیے! فاقول: وباللہ التوفیق!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باطنی افضلیت کلیہ افرادیہ تو کیا؟ ظاہری افضلیت کلیہ افرادیہ بھی کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ دنیا میں بہت سے لوگ کوئی نہ کوئی ایسا نیک کام کر لیتے ہیں جو دوسرے کیے ہوئے نہیں ہوتے۔

خود زبدۃ التحقیق ص ۱۹۹ میں فرمایا گیا ہے:

> حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر ہر وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ علماے محققین نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین میں بھی کسی سے ایک صاحب کی تفضیل دوسرے پر ہر وجہ سے ثابت ہونا محال ہے الخ۔

رہی افضلیت جزئیہ! تو وہ حدیث وقرآن کے مطابق بہت سے صحابہ کو ایک دوسرے پر حاصل ہے۔ بلکہ اجمالا بعض غیر صحابہ کو بھی حاصل ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر ۱۶۷۷، سنن دارمی باب ''فی فضل آخر ہٰذہ الامۃ، حدیث نمبر ۲۷۸۶ میں ہے:

> عن ابن محیریز قال: قلت لابی جمعة: حدثنا حدیثا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: نعم! احدثكم حديثا جيدا: تغدينا مع رسول الله عليه وسلم ومعنا ابوعبيدة ابن الجراح، فقال: يا رسول الله! هل احد خيرمنا؟ أسلمنا معك وجاهدنا معك، قال نعم! قوم يكونون من بعدكم، يومنون بي ولم يروني۔

ترجمہ: حضرت ابن محیریز کہتے ہیں: میں نے حضرت ابو جمعہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ مجھ سے ایسی کوئی حدیث بیان کیجیے جسے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم سے سنی ہو۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، میں آپ کو ایک عمدہ حدیث سناتا ہوں: ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ میں حاضر تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے حضور سے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم سے بھی کوئی بہتر ہوگا؟ جب کہ ہم آپ کی موجودگی میں ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد کئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! وہ قوم جو تمہارے بعد آئے گی اور مجھ پر ایمان لائے گی جب کہ انھوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔

اس لیے افضلیت کلیہ افرادیہ یا افضلیت جزئیہ کے تعلق سے خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں۔ بنا بریں گفتگو صرف افضلیت مطلقہ پر ہوگی اور ''زبدۃ التحقیق'' میں اسی کو مختلف فیہ ثابت کرنے پر پورا زور قلم صرف کیا گیا ہے۔

فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۲۸ میں ہے:

مدار آں تفضیل بر اکثریت ثواب است عند المتکلمین وجائز است کہ خدائے تعالیٰ بعض بندگان خود را مخصوص بزیادت ثواب گرداند ہر چند فضائل دیگر وصفات کمال در غیر آنہا بیشتر باشد۔

ترجمہ: متکلمین کے نزدیک اس تفضیل کا مدار ثواب کی زیادتی پر ہے اور ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بعض

بندوں کو ثواب کی زیادتی کے ساتھ مخصوص فرمادے، ہر چند کہ دوسرے فضائل اور صفات کمال اور حضرات میں زیادہ ہوں۔

شرح عقائد کی شرح نبراس ص ۲۹۹ میں ہے:

(ذکر المحققون ان فضیلة المبحوث عنها فی الکلام هی کثرة الثواب۔ ای: عظم الجزاء علی اعمال الخیر لا شرف النسب، والا لزم ان یکون ولد النبی افضل من النبی الذی لیس ابوه نبیا ولا کثرة الطاعات الظاهرة، لان الثواب لیس علی حسب مقدارها لان انفاق احدنا مثل جبل احد ذهبا لا یبلغ مد الصحابة ولا نصیفهم کما فی الحدیث الصحیح والسر فی ذلك ان اصل الخیر هو الاخلاص فی العمل ومحبة الحق سبحانه و دوام الحضور معه وهی امور باطنة۔ ولذا قال بکر بن عبد الله المزنی: ما فضلکم ابو بکر بصوم وصلاة و لکن بشیء فی قلبه انتهی۔ فلا یخفی ان کثرة الثواب لا تعلم الا باخبار الشارع ولا مدخل فیه للعقل و المناقب الظاهرة۔ فاحفظ۔

ترجمہ: محققین نے بیان کیا ہے کہ صحابہ کے مابین جس فضیلت کے بارے میں گفتگو ہے، اس سے مراد ثواب کی کثرت یعنی نیک اعمال کی جزا ہے، شرف نسب نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ نبی کا وہ بیٹا جس کا دادا نبی نہ ہو، وہ اپنے نبی باپ سے افضل

ہوجائے۔اسی طرح عبادات ظاہرہ کی کثرت بھی مراد نہیں ہے، کیوں کہ ثواب کا مدار عبادات ظاہرہ کی کثرت پر نہیں ہے،اس لیے کہ حدیث صحیح کے مطابق ہم لوگوں کا اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرنا صحابۂ کرام کے آدھا ''مد'' خیرات کرنے کے برابر بھی نہیں ہے۔جس میں راز یہ ہے کہ اصلِ خیر،عمل میں اخلاص، حق سبحانہ کی محبت اور اس کی بارگاہ میں دائمی حضوری ہے۔اسی وجہ سے بکر بن عبداللہ مزنی نے فرمایاہے:ابوبکر صدیق نماز وروزہ کی وجہ سے افضل نہیں ہوئے بلکہ اس چیز کی وجہ سے افضل ہوئے جوان کے دل میں ہے۔یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ ثواب کی کثرت،شارع کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی،جس میں عقل اور ظاہری مناقب کا کوئی دخل نہیں۔

شرح المقاصد لسعد الدین التفتازانی (م ۷۹۳ھ) ص : ۵۲۳ میں ہے:

ان الکلام فی الافضلیة بمعنی الکرامة عند الله، و کثرة الثواب. وقد شهد فی ذلك عامة المسلمین، واعترف علی رضی الله عنه به.

ترجمہ: گفتگو افضلیت بمعنی کرامت عنداللہ اور کثرت ثواب میں ہے۔اسی کے تعلق سے عام مسلمانوں نے گواہی دی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اعتراف فرمایا ہے۔

اسی افضلیت مطلقہ کے تعلق سے روافض اور اہل سُنت میں اختلاف ہے۔ اہل سُنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس بلند مرتبہ (باطنی افضلیت) پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز ہیں،اور روافض اس بات کے مدعی ہیں کہ (باطنی) افضلیت مطلقہ کا مقام حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل ہے۔اس اعتبار سے دونوں ہی مدعی ہیں اور دونوں ہی اپنے اپنے دعوے پر دلیلیں پیش کرتے ہیں اور دوسرے کی دلیلوں پر نقض وابرام پیش کرکے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے درپے ہیں۔سُنّی حضرات اپنی دلیلوں میں اہل سنت کا اجماع،قرآن عظیم کی متبادر المعنی آیتیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں،صحابۂ کبار کے ارشادات، اہل بیت کے متواتر فرامین اور اجل ائمہ، علما اور اکابر صوفیا کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

●●●

اجماع

(۱) مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) دفتر دوم مکتوب نمبر ۶۷ میں ہے:

افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ وتابعین ثابت شدہ است۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر وعمر کی افضلیت صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہے۔

(۲) مناقب الشافعی للبیہقی (م ۴۵۸ھ) ج۱ ص ۴۳۴ میں ہے:

يقول (داؤود بن علی الاصبهانی) سمعت ابا ثور يقول: سمعت الشافعی يقول: ما اختلف احد من الصحابة و التابعين فی تفضيل ابی بكر و عمر وتقديمهما على جميع الصحابة۔

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا: تمام صحابہ سے ابوبکر صدیق وعمر فاروق کی تقدیم اوران کے افضل ہونے پر کسی صحابی وتابعی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۳) امام بیہقی ہی کی الاعتقاد ج۱ ص ۳۶۹: میں ہے:

روينا عن ابی ثور عن الشافعی انه قال: ما اختلف احد من الصحابة والتابعين فی تفضيل ابی بكر وعمر و تقديمهما على جميع الصحابة۔

ترجمہ: امام شافعی نے ارشاد فرمایا: تمام صحابہ سے ابوبکر صدیق

وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی تقدیم اوران کے افضل ہونے پر کسی صحابی وتابعی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۴) الجامع فی العلل ومعرفة الرجال للامام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) ص ۵۷۸ میں ہے:

قال جرير بن عبد الحميد قال سألت يحی بن سعيد الانصاری و مارأيت شيخاانبل منه فقلت: من ادركتَ من اصحاب النبی ﷺ و التابعين، ما كان قولهم فی علی وعثمان؟ فقال: من ادركتُ من اصحاب النبی ﷺ و التابعين لم يختلفوا فی ابی بكر و عمر وفضلهما...الخ

ترجمہ: جریر بن عبد الحمید کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰی بن سعید انصاری جن سے زیادہ عظمت وشرافت کا حامل کوئی بزرگ میری نظر میں نہیں، ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کسی صحابی یا تابعی کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ حضرت علی وعثمان کے تعلق سے کیا فرماتے تھے؟ حضرت یحیٰی بن سعید نے فرمایا: میں نے صحابہ وتابعین میں کسی کو نہیں پایا جنھوں نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں اختلاف کیا ہو۔[۱]

---

[۱] حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے تعلق سے سوال کے جواب میں یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے چاند کے گھٹتے، بڑھتے رہنے سے متعلق سوال کے جواب میں قرآن کا یہ ارشاد: قل هی مواقيت للناس والحج۔ تم فرمادو: وہ لوگوں کے بہت سے امور بالخصوص حج کے لیے وقت کی علامتیں ہیں۔

(۵) فتح الباری لابن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ) ج۷،ص۱۷ میں ہے :

ونقل البیھقی فی الاعتقاد بسنده الی ابی ثور عن الشافعی انه قال :اجمع الصحابة واتباعهم علی افضلیة ابی بکر الخ.

ترجمہ :امام بیہقی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ امام شافعی نے فرمایا: صحابہ وتابعین نے حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت پر اجماع کیا ہے۔

(۶) سبع سنابل کے ص۱۰ میں ہے:

اجماع اصحاب وتابعین وتبع تابعین وسائر علمائے امت ہم بریں عقیدہ واقع شدہ است۔ وایں اجماع در کتب متقدماں ومتأخراں مذکور وشائع است۔

ترجمہ :صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام علماے امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہوا ہے ۔ اور یہ اجماع متقدمین اور متأخرین کی کتابوں میں مذکور اور شائع ہے۔

(۷) اسی کے ص۱۷ میں ہے:

پس چوں اجماع صحابہ کہ انبیا صفت بر تفضیل شیخین واقع شد ومرتضیٰ نیز دریں اجماع متفق وشریک بود مفضلہ در اعتقاد خود غلط کردہ است۔ اے خان ومان ما فدائے نام مرتضیٰ باد! واے دل وجان ما نثار اقدام مرتضیٰ باد!! کدام بدبخت ازل کہ محبت مرتضیٰ در دلش نباشد، وکدام راندۂ درگاہ مولیٰ کہ اہانت او روادارد۔ مفضلہ گمان بردہ است کہ نتیجۂ محبت با مرتضیٰ تفضیل او است بر شیخین، ونمیدانند کہ ثمرۂ

محبت موافقت ست با او نہ مخالفت کہ چوں مرتضیٰ افضل شیخین وذی النورین را برخود روا داشت واقتداء بایشاں کرد وحکمہائے عہد خلافت ایشاں را امتثال فرمود شرط محبت با او آں باشد کہ در راہ وروش با او موافق باشد نہ مخالف۔

ترجمہ :جب انبیا جیسی صفات کے حامل صحابۂ کرام کا اجماع واقع ہو گیا کہ شیخین کریمین افضل ہیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس اجماع میں شامل اور متفق تھے۔ تو فرقۂ تفضیلیہ نے خود اپنے اعتقاد میں غلطی کی ہے۔ میرا گھر بار حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام پر فدا اور میری جان ودل آپ کے قدموں پر قربان! کون ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں حضرت علی مرتضیٰ کی محبت نہ ہوگی؟ اور کون بارگاہ خداوندی کا دھتکارا ہوگا جو علی مرتضیٰ کی توہین کو روا رکھے گا؟ فرقۂ تفضیلیہ نے گمان کیا ہے کہ محبت علی مرتضیٰ کا تقاضا آپ کو شیخین پر فضیلت دینا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت۔ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا، ان کی اقتدا کی اور ان کے عہد خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ وروش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔

(۸) الاسالیب البدیعة للعلامه یوسف بن اسماعیل النبھانی (م ۱۳۵۰ھ) ج۱ص۱۶ میں ہے:

اذا ثبت انه لا یعرف الفضل الا بالوحی، ولا یعرف من النبی الا بالسماع واولی الناس بالسماع ما یدل علی تفاوت الفضائلِ الصحابةُ الملازمون لاحوال النبی ﷺ، وهم قد اجمعوا علی تقدیم ابی بکر ، ثم نص ابو

بکر علی عمر ، ثم اجمعوا بعدہ علی عثمان ، ثم علی علی
رضی اللہ عنہم۔ ولیس یظن منہم الخیانۃ فی دین اللہ
تعالیٰ لغرض من الاغراض۔

وقال(الغزالی) :اجماعھم علی ذالك من احسن ما یستدل بہ علی مراتبھم فی الفضل ، ومن ھذا اعتقد اھل السنۃ ھذا الترتیب فی الفضل ثم بحثوا عن الاخبار فوجدوا فیھا ما عرف بہ مستند الصحابۃ واھل الاجماع فی ھذا الترتیب۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ فضیلت صحابہ کا علم، وحی الٰہی اور زبان رسالت مآب صلی اللہ علی نبینا وسلم سے سننے کے بعد ہی ہوسکتا ہے اور اس طرح سے صحابہ کی الگ الگ فضیلت سننے والے خوش بخت افراد وہی ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شب وروز کا بکثرت مشاہدہ کیا ہے اورانہوں نے ہی اجماع کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر ہی افضل صحابہ ہیں پھر حضرت ابوبکر صدیق نے اسی اجماع کے ذریعہ حضرت عمر کے افضل ہونے کی صراحت کردی، ان کے بعد حضرت عثمان کے افضل ہونے پر اجماع ہوا پھر حضرت علی کی افضلیت پر اجماع ہوا۔ یہ اجماع کرنے والے حضرات ایسے ہیں جن کے تعلق سے کسی دنیوی غرض کی بنا پر اللہ کے دین میں خیانت کرنے کی بدگمانی نہیں کی جاسکتی ہے۔ کہ معاذ اللہ! انھوں نے اس مسئلہ افضلیت پر اجماع کرنے میں خیانت کی ہے۔

امام غزالی نے فرمایا ہے: اس پر حضرات صحابہ کا اجماع ان دلائل میں سب سے اچھی دلیل ہے جس سے فضیلت کے اعتبار سے صحابہ کے الگ الگ درجات ومراتب ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اہل سنت کا یہ عقیدہ بن گیا

کہ ان کی فضیلت کی ترتیب یہی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے احادیث و ارشادات نبویہ کی تلاش وجستجو شروع کی، جن میں ان کو یہی ملا کہ وہ احادیث اسی ترتیب پر اجماع کی سندیں ہیں۔

(۹) البحر الرائق لابن نجیم المصری (م ۹۷۰ھ) ج ۱:: ص ۲۸۸ : میں ہے:

روی ان ابا حنیفۃ سئل عن مذھب اھل السنۃ و الجماعۃ،
فقال :ھو ان تفضل الشیخین وتحب الختنین الخ۔

ترجمہ: امام اعظم ابوحنیفہ سے اہل سنت وجماعت کے تعلق سے سوال ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کو افضل سمجھنا، حضرت عثمان غنی اور علی مرتضی سے محبت کرنا مذہب اہل سنت ہے۔

(۱۰) المدونۃ للامام مالك (م ۱۷۹ھ) ج ۴ ص ۶۷۰ میں ہے:

قال (ابن القاسم) :سألت مالکا عن خیر الناس بعد نبیھم؟
قال :ابوبکر۔ ثم قال :اَوَفی ذالك شك؟

ترجمہ: (ابن القاسم) فرماتے ہیں : میں نے حضرت امام مالک سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل کون ہیں؟ امام مالک نے جواب ارشاد فرمایا :ابوبکر! مزید آپ نے فرمایا : کیا اس میں بھی کوئی شک ہے؟

(۱۱) المفھم للامام القرطبی (م ۶۵۶ھ) ج ۳ ص ۱۰۵۹ میں ہے:

المقطوع بفضله وافضليته بعدرسول الله صلى الله عليه وسلم عنداهل السنة وهوالذى يقطع به من الكتاب والسنة ابوبكر الصديق.ولم يختلف فى ذلك احدمن ائمة السلف ولا الخلف.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں قطعی طور پر حضرت صدیق اکبر افضل ہیں۔ائمہ سلف وخلف میں سے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔

(۱۲) المنہاج شرح مسلم للامام النووی (م ۶۷۶ھ) ج ۱۵،ص ۱۴۸ میں ہے:

اتفق اهل السنة على ان افضلهم ابو بكر الخ.

ترجمہ: اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ابوبکر صدیق افضل الصحابہ ہیں۔

(۱۳) شرح التبصرة والتذكرة للامام زين الدين العراقی (م ۸۰۶ھ) ج:۲،ص:۱۳۷ میں ہے:

اجمع اهل السنة على ان افضل الصحابة بعد النبى صلى الله عليه وسلم على الاطلاق ابو بكر ثم عمر.وممن حكى اجماعهم على ذلك ابو العباس القرطبى. فقال: و لم يختلف فى ذلك احد من ائمة السلف ولا الخلف.

ترجمہ: اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی الاطلاق تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر۔اس اجماع کے ناقلین میں حضرت

ابو العباس قرطبی بھی شامل ہیں، چناں چہ آپ فرماتے ہیں: ائمہ سلف وخلف میں سے کسی نے بھی اس اجماع میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

(۱۴) الوصیۃ الکبریٰ لابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) ص ۱۰۱ میں ہے:

وقد اتفق اهل السنة والجماعة على ما تواتر عن امير المؤمنين على بن ابى طالب رضى الله عنه انه قال: خير هذه الامة بعد نبيها ابو بكر ثم عمر.

ترجمہ: حضرت مولا علی سے تواتراً منقول اُس بات پر اہل سنت وجماعت کا اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اِس امت کے افضل ترین شخص حضرت ابوبکر صدیق ہیں ان کے بعد حضرت عمر فاروق۔

(۱۵) تاریخ الخلفاء للامام السیوطی (م ۹۱۱ھ) ص ۳۸: میں ہے:

اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله عليه الصلاة والسلام ابوبكر.

ترجمہ: اہل سنت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔

(۱۶) الصواعق المحرقۃ لابن حجر الہیتمی (م ۹۷۴ھ) ص ۸۶: میں ہے:

اعلم ان الذى اطبق عليه عظماء الملة و علماء الامة ان افضل هذه الامة ابو بكر الصديق ثم عمر.....قد حكى ابو عبد الله المازرى عن المدونة ان مالكا رحمه

الله سئل :ای الناس افضل بعد نبیهم فقال ابو بکر
ثم عمر ثم قال :اوفی ذالك شك؟

ترجمہ :اس بات کو خوب ذہن نشیں کر لیں کہ جس کام پر علمائے ملت اور عظمائے امت کا اجماع ہو چکا ہے، وہ یہ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت کے افضل ترین شخص ہیں اور آپ کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔.....
حضرت عبد اللہ مازری نے ”مدونہ“ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے سوال ہوا کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل کون ہیں؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا :سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ نیز آپ نے فرمایا : کیا اس میں بھی کوئی شک ہے؟

(۱۷) اسی میں ص ۸۸ پر ہے:

الحاکی لاجماع الصحابة والتابعین علی تفضیل ابی بکر وعمر وتقدیمهما علی سائر الصحابة جماعة من اکابر الائمة منهم الشافعی رضی الله تعالی عنه کما حکاه عنه البیهقی وغیره۔

ترجمہ :تمام صحابہ پر حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی تقدیم و تفضیل پر اجماع صحابہ و تابعین کی ناقل اکابر امت کی ایک جماعت ہے جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۱۸) عقیدة اهل السنة للناصر بن علی عائض ج۱ ص ۲۳۹ میں ہے:

وقد نقل الاجماع علی ان افضل الناس بعد الانبیاء هو ابو بکر الصدیق جماعة من اهل العلم منهم :ابو طالب العشاری والامام الشافعی والنووی وشیخ الاسلام ابن تیمیة وابن حجر والبیهقی :فقد روی ابو طالب العشاری باسناده الی عمار بن یاسر رضی الله عنه انه قال :من فضل علی ابی بکر وعمر احدا من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فقد ازری بالمهاجرین والانصار وطعن علی اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم۔

ترجمہ :انبیائے کرام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے سارے انسانوں سے افضل ہونے پر اہل علم کی ایک جماعت نے اجماع نقل کیا ہے جن میں ابو طالب عشاری، امام شافعی، علامہ نووی، ابن تیمیہ، علامہ ابن حجر اور امام بیہقی شامل ہیں۔ چناں چہ ابو طالب عشاری نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر نے فرمایا: جس نے ابوبکر و عمر پر کسی صحابی کو فضیلت دی اس نے مہاجرین وانصار کی توہین کی اور اصحاب نبی پر طعن کیا۔

(۱۹) سبع سنابل مصنفہ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی (پ ۹۱۵) ص ۷ مطبوعہ لاہور میں ہے:

اجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیا ابوبکر صدیق است و

بعد از وے عمر فاروق ست و بعد از وے عثمان ذی النورین ست
و بعد از وے علی مرتضی است رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین الخ۔

ترجمہ :اس پر اجماع ہے کہ انبیا کے بعد تمام انسانوں میں
افضل ابوبکر صدیق، ان کے بعد عمر فاروق، ان کے بعد عثمان
ذوالنورین اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔رضی اللہ عنہم

(۲۰) پھر ص ۱۰۱ ہی میں ہے:

کسے کہ امیر المومنین علی را خلیفۃ نہ داند او از خوارج است و کسے
کہ او را بر امیر المومنین ابوبکر و عمر تفضیل کند او از روافض است۔

ترجمہ :جو شخص امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ
مانے وہ خارجی اور جو آپ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
افضل جانے وہ رافضی ہے۔

(۲۱) منح الروض للملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) ص ۳۴۴ میں ہے:

قال ابو منصور البغدادی من اکابر ائمۃ الشافعیۃ :
اجمع اھل السنۃ و الجماعۃ علی ان افضل الصحابۃ
ابوبکر الخ .

ترجمہ: ابومنصور بغدادی (جن کا شمار اکابر شافعیہ میں ہوتا ہے
) نے فرمایا :اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے
کہ تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں
الخ۔

(۲۲) لوامع الانوار البھیۃ للسفارینی (م ۱۱۸۸ھ) ج ۲، ص ۳۱۲

میں ہے:

فقد اجمع اھل السنۃ والجماعۃ علی ان افضل الصحابۃ
والناس بعد الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ابوبکر
...لا ینازع فی ذالك الا زائغ وقد اخرج الامام احمد
وغیرہ من أمیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ
تعالی عنہ انہ قال:خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر....
قال الحافظ الذھبی :ھٰذا متواتر عن علی رضی اللہ عنہ .
وقال شیخ الاسلام ابن تیمیۃ فی الفتاویٰ المصریۃ :
قد نقل عن علی رضی اللہ تعالی عنہ من نحو ثمانین
وجھا :خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر الخ .

ترجمہ: اہل سنت وجماعت کا اجماع ہو چکا ہے کہ انبیا علیہم
السلام کے بعد لوگوں اور تمام صحابہ میں سب سے افضل حضرت
ابوبکر صدیق ہیں۔اس مسئلہ میں کوئی کج فکر ہی نزاع کرے
گا۔امام احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی
نے فرمایا :رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں
سب سے افضل حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔

امام ذہبی نے فرمایا :یہ قول تواتر کے ساتھ حضرت علی سے مروی ہے۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فتاوی مصریہ میں فرمایا :اسّی سے زائد رُوات نے حضرت
علی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں
سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں۔

(۲۳) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ "فتاوی عزیزی
ص ۱۲۸ میں فرماتے ہیں:

تفضیل شیخین کہ مجمع علیہ جمیع اہل حق است، زیرا کہ مدار آں
تفضیل بر اکثریت ثواب است عند المتکلمین وجائز است کہ
خداے تعالیٰ بعض بندگان خود را مخصوص بزیادۃ ثواب گرداند ہر
چند فضائل دیگر وصفات کمال در غیر آنہا بیشتر باشد۔

ترجمہ: شیخین کی تفضیل تمام اہل حق کا اجماعی مسئلہ ہے،
کیوں کہ اس تفضیل کا مدار عند المتکلمین ثواب کی زیادتی
پر ہے۔ اور ممکن ہے کہ خداے تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو
ثواب کی زیادتی کے ساتھ مخصوص فرمادے ہر چند کے دوسرے
فضائل اور صفات کمال اور حضرات میں زیادہ ہوں۔

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالی
عنہما کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع ہے، جو بالمعنی الاعم دلیل قطعی ہے، کسی بھی
سُنی مسلمان کو اسے بلا چون وچرا سر جھکا کر تسلیم کرنے کے لیے مزید کسی دلیل کی
حاجت نہیں۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۸۳ میں ہے:

الاجماع حجة بمعنى انه كاشف وانما المثبت النص
المستند لكنالاننتظر فى معرفة الحكم المجمع عليه
الى معرفة المستندلكونه قاطعا فى ابانة الحكم.

ترجمہ: اجماع کا حجت ہونا بایں معنی ہے کہ وہ کاشف ہے اور

مثبت تو وہ نص ہے جو سند اجماع ہے۔ لیکن ہم مجمع علیہ حکم کی
معرفت کے لیے اس سند کی معرفت کا انتظار نہیں کریں گے؛
کیوں کہ اجماع سے حکم قطعی کا اظہار ہوتا ہے۔

اسی فواتح الرحموت ج ۲ کے ص ۸۰ میں ہے:

لو ثبت ان اهل الاجماع تمسكوا بهذا الخبر (الواحد)
فصار مقطوعا كالمتواتر بل فوقه، اذ لايتوهم فى
الاجماع للخطأ، وانما منع نسخ خبر الواحد للمتواتر اذا
لم يعتضد بما يفيد القطع وههنا قد اعتضد بالاجماع
المصير اياه قطعيا.

ترجمہ: جب ثابت ہو جائے کہ اہل اجماع نے اس خبر واحد
سے استدلال کیا ہے تو وہ خبر واحد متواتر کی طرح بلکہ اس سے
بڑھ کر قطعی ہو جائے گی؛ کیوں کہ اجماع سے متعلق خطا کا وہم
نہیں ہو سکتا۔ جب خبر واحد کی تائید دلیل قطعی سے نہ ہو تو اس
سے متواتر کو منسوخ نہیں قرار دیا جا سکتا جب کہ یہاں اس کی
تائید اجماع سے ہو رہی ہے جس کی وجہ سے وہ قطعی ہو گئی۔

حضرت امام غزالی المستصفی ص ۳۹۲ پر فرماتے ہیں:

يجب على المجتهد فى كل مسئلة ان يرد نظره الى النفى
الاصلى قبل ورود الشرع ثم يبحث عن الادلة
السمعية المغيرة، فينظر اول شئ فى الاجماع فان وجد
فى المسئلة اجماعا ترك النظر فى الكتاب والسنة

فانهما يقبلان النسخ والاجماع لايقبله فالاجماع على خلاف ما فى الكتاب والسنة دليل قاطع على النسخ؛ اذلا تجتمع الامة على الخطاء الخ۔

ترجمہ: مجتہد پر لازم ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں ورود شرع سے پہلے کی نفی اصلی پر نگاہ ڈال لے پھر اس میں تبدیل کرنے والے سمعی دلائل سے بحث کرے ۔اب پہلے یہ دیکھے کہ اجماع تو نہیں ہے ، اگر اجماع ہو تو کتاب وسنت میں غور کرنا چھوڑ دے ؛ کیوں کہ کتاب وسنت منسوخ ہو سکتے ہیں، اجماع نہیں۔ کتاب وسنت کے برخلاف اجماع، ان دونوں کے منسوخ ہونے کی دلیل قطعی ہے ؛ کیوں کہ امت کا اجماع خطا پر نہیں ہوسکتا۔

پھر بھی ورق الٹ کر قرآن عظیم کی تلاوت کیجیے اور افضلیت صدیقی کا جلوہ دیکھیے!

●●●

قرآن کریم

(۱) اللہ تعالی نے قرآن کریم پ ۳۰ سورہ اللیل آیت ۱۷ تا ۲۱ میں فرمایا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾

[اور اس جہنم سے دور رکھا جائے گا وہ جو "اتقی" ہے۔جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔ اور کسی کا اس (نبی) پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے۔ اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا]

پہلی آیت میں جس ذات کو "اتقی" کہا گیا ہے، دوسری آیت میں اسی ذات کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبی پر اپنا مال لٹاتا ہے ۔تیسری آیت میں اسی ذات کی صفت بیان ہوئی ہے کہ اس کے اس مال کا کوئی دنیوی بدلہ نہیں ۔ چوتھی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اسے اس سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہے۔ پانچویں آیت میں مژدہ سنایا گیا ہے کہ اسے رب کی رضا حاصل ہوگی۔

احادیث وسیر کا علم رکھنے والوں کے لیے یہ بات بدیہی ہونے کے علاوہ، اہل سُنت وروافض دونوں کا اجماع بھی ہے کہ ان صفات کے مصداق یا تو حضرت ابوبکر صدیق ہیں یا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہما اور بس۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ کوئی ایسا مالی سلوک کیا ہو گا جس کا بدلہ نہ ہو؟ الٹے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش اور ممنون احسان رہے ہیں، اس لیے وہ ان صفات کے مصداق نہیں ہیں ـــ اور جب حضرت علی مرتضیٰ ان صفات کے مصداق نہیں ہوئے، تو لامحالہ حضرت ابو بکر صدیق ہی ان صفات کے مصداق قرار پائے۔

چنانچہ:

(الف) التفسیر الکبیر مطبوعہ بہیۃ، مصر، ج:۳۱، ص:۲۰۵ میں امام رازی نے فرمایا ہے:

اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابو بکر رضی الله تعالی عنه۔

ترجمہ: ہمارے یعنی اہل سنت کے مفسروں کا اجماع ہے کہ "اتقی" سے مراد ابو بکر صدیق ہیں۔

(ب) معالم التنزیل معروف بہ تفسیر بغوی ج ۴، ص ۴۶۳ میں ہے:

الاتقی یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع۔

[اہل سنت کے نزدیک "اتقی" بالاتفاق ابو بکر صدیق ہیں]۔

(ج) الصواعق المحرقة، باب ثالث، فصل ثانی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ص ۹۸: پر علامہ ابن جوزی کے حوالے سے ہے:

اجمعوا انها نزلت فی ابی بکر۔

[اہل سنت کا اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی ہے]

الغرض! مفسرین اہل سنت کے اجماع سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے "

اتقی" حضرت ابو بکر صدیق کو بتایا ہے۔

پھر خدائے تعالیٰ ہی نے پ ۲۶ سورہ حجرات، آیت ۱۳ میں فرمایا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط

[جو تم میں "اتقی" ہے، بے شک وہی اللہ کے یہاں تم میں زیادہ فضیلت والا ہے۔]

تو اللہ تعالیٰ نے "اکرم" اسے قرار دیا ہے جسے "اتقی" بتایا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق ہی اس کے نزدیک سب سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔

(د) شرح المقاصد ج ۵: ص ۲۹۰: تا ۲۹۴: میں ہے:

اما الکتاب فقوله تعالیٰ: "وسیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکیٰ وما لاحد عنده من نعمة تجزیٰ"

فالجمهور علی انها نزلت فی ابی بکر رضی الله تعالیٰ عنه والاتقیٰ اکرم، لقوله تعالیٰ: ان اکرمکم عند الله اتقٰکم۔

ولا یعنی بالافضل الا الاکرم وليس المراد به علیا لان للنبی صلی الله علیه وسلم عنده نعمة تجزیٰ وهی نعمة التربیة۔

ترجمہ: قرآن حکیم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"اور جہنم کی اس آگ سے دور رکھا جائے گا وہ جو "اتقی" ہے، جو اپنا مال دیتا ہے تا کہ ستھرا ہو، اور کسی کا اس پر احسان نہیں

جس کا بدلہ دیا جائے ـــــ جمہور کے نزدیک یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی اور "افضل" کے معنی "اکرم" ہی ہیں۔جس سے مراد، حضرت علی نہیں ہوسکتے ؛ کیوں کہ ان پر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا احسان ہے کہ وہ حضور کے زیر پرورش تھے۔

(ہ) شرح المواقف للجرجانی (م۸۱۶ھ) ج۸: ص۳۹۷: مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان میں ہے:

افضل الناس بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم هو عندنا و اکثر قدماء المعتزلة ابو بکر رضی اللہ عنه و عند الشیعة و اکثر متاخری المعتزلة علی۔ (لنا وجوه: الاول :قوله تعالیٰ:"وسیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکیٰ" [اللیل:۱۸]، قال اکثر المفسرین :و)قد (اعتمد علیه العماء انها نزلت فی ابی بکر فهو) اتقیٰ ومن هو اتقیٰ فهو (اکرم عند الله لقوله تعالیٰ :ان اکرمکم عند الله اتقٰکم [الحجرات :۱۳]وهو) أی: الاکرم عند الله هو (الافضل) فابو بکر افضل ممن عداه من الامة وایضا فقوله:وما لاحد عنده من نعمة تجزیٰ [اللیل:۱۹] یصرفه عن) الحمل علی (علی اذ عنده نعمة التربیة) فان النبی ربیٰ علیا (وهی نعمة تجزیٰ) واذا لم یحمل علیه تعین ابو بکر للاجماع علی ان ذلك الاتقیٰ هو احدهما لاغیر۔

ترجمہ : ہمارے اور اکثر معتزلہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے بعد افضل الناس ابوبکر صدیق ہیں اور شیعہ و متاخرین معتزلہ کے نزدیک حضرت علی ۔ہماری ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے:وسیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکیٰ"۔ اکثر مفسرین نے فرمایاہے اور علمانے اسی پر اعتماد کیاہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کے بارے میں اتری ہے۔تو ابوبکر صدیق "اتقی" ہوئے اور جو "اتقی" ہے وہ" اکرم "ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :"ان اکرمکم عند الله اتقٰکم "۔ اور جو اللہ کے نزدیک" اکرم "ہے، وہی "افضل" ہے۔تو مطلب یہ ہوا کہ ابو بکر افضلِ امت ہیں۔نیز قرآن کریم ہی میں ہے :"وما لاحد عنده من نعمة تجزیٰ"، جس سے حضرت علی مراد نہیں ہوسکتے، کیوں کہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں رہے، پس جب حضرت علی مراد نہیں ہوئے تو متعین ہوگیا کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیق ہی مراد ہیں۔اس لیے کہ ان ہی دونوں میں سے کسی ایک کے "اتقی" ہونے پر اجماع ہے۔

(و) شرح مقاصد ج۵: ص۲۹۰: تا ۲۹۴: میں ہے:

(الافضلیة عندنا بترتیب الخلافة مع تردد فیما بین عثمان و علی رضی الله عنهما۔ وعند الشیعة وجمهور المعتزلة الافضل علی۔

لنا اجمالا ان اتفق اکثر العلماء علی ذالك یقضی بوجود
دلیل لهم وتفصیلا قوله تعالیٰ :"وسیجنبها الاتقی
الذی یوتی ماله یتزکی"۔نزلت فی ابی بکر والاتقیٰ اکرم
وافضل۔

ترجمہ: ہم اہل سنت کے نزدیک افضلیت،خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ہاں!حضرت عثمان وعلی کے درمیان افضلیت کی ترتیب میں تردد ہے۔شیعہ اورجمہور معتزلہ کے نزدیک حضرت علی افضل ہیں۔

ہماری اجمالی دلیل یہ ہے کہ اکثر علما کا اتفاق اس بات کا متقاضی ہے کہ ان (اہل سنت) کے پاس کوئی دلیل ہوگی۔اور تفصیلی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو[اللیل ۱۷ :۱۸،]"۔یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔تو"اتقی" اکرم وافضل ہے۔

(۲) قرآن عظیم کے سورہ الدھر کی آیت نمبر ۹ و ۱۰ میں حضرت مولا علی کے الفاظ نقل ہوئے ہیں:

انما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاءً ولاشکورا۰
انانخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا۔

[ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں،تم سے کوئی بدلہ یا شکرگذاری نہیں مانگتے۔بے شک ہمیں ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت تُرش نہایت سخت ہے۔]

اور سورہ اللیل کی آیت نمبر ۲۰ و ۲۱ میں صدیق اکبر کے بارے میں ہے:

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿۲۱﴾ [صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا]

امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۳۱ ص ۲۰۶ میں،قاضی ابوبکر باقلانی کے حوالے سے فرمایا ہے کہ انہوں نے "کتاب الامامة" میں دونوں کے حق میں نازل شدہ آیتوں کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے:

الاٰیة الواردة فی حق علی کرم الله وجهه الکریم :"انما
نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاءً ولاشکورا۰ انا
نخاف من ربنا یوما عبوسا قمطریرا" والاٰیة الواردة فی
حق ابی بکر :الا ابتغاء وجه ربه الاعلیٰ ولسوف یرضیٰ۔
فدلت الاٰیتان ان کل احد منهما انما فعل مافعل لوجه
الله الا ان اٰیة علی تدل علی انه فعل ما فعل لوجه الله
وللخوف من یوم القیامة علی ماقال :انا نخاف من
ربنا یوما عبوسا قمطریرا۰واما آیة ابی بکر فانها دلت
علی انه فعل مافعل لمحض وجه الله تعالیٰ من غیر ان
یشوبه طمع فیما یرجع الی رغبة فی ثواب او رهبة من
عقاب فکان مقام ابی بکر اعلیٰ واجل۔

ترجمہ :حضرت مولا علی کے حق میں وارد شدہ آیت میں ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں:"ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں،ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکرگزاری کے طالب نہیں۔بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن

کا ڈر ہے جو بہت تُرش نہایت سخت ہے''۔۔۔ اور صدیق اکبر کے حق میں نازل شدہ آیت کے الفاظ ہیں : ''صرف اپنے ربِ اعلیٰ کی رضا چاہتا ہے، اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا''۔۔۔ یہ دونوں آیتیں دال ہیں کہ دونوں حضرات نے ہی اللہ کی خوشنودی کے لیے نیکی کی ،مگر حضرت علی کے لیے جو آیت اتری وہ یہ بتاتی ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ اللہ کی خوشنودی اورقیامت کے ڈر سے کیا۔اسی لیے آپ نے فرمایا: ''بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت تُرش نہایت سخت ہے''۔ جب کہ حضرت ابوبکر کے لیے جو آیت اتری وہ یہ بتاتی ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لیے کیا،اس میں ثواب کی طمع یا عقاب کے اندیشے کا کوئی شائبہ نہیں ۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق کا مقام اعلیٰ واجل ہوا۔

فراق ووصل چہ خواہی رضاے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیرِ او تمنائے

قرآن کریم کے جلوؤں سے آنکھوں کو منور ومجلیٰ کرنے کے بعد اور ایک بار ورق الٹیے اور چشم بصیرت سے احادیث و ارشاداتِ صحابہ میں افضلیت صدیقی ملاحظہ کیجیے!

●●●

احادیث وارشادات صحابہ

(۱) ترمذی شریف ج ۲،ص ۲۰۷،سنن ابن ماجہ ص ۱۰،اورمسند امام احمد بن حنبل ج ۱ص ۸۰ میں ہے:

عن علی ابن ابی طالب قال :کنت مع رسول اللہ ﷺ اذطلع ابوبکر وعمر،فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم :ھٰذان سیدا کھول اھل الجنة و شبابھا من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین۔

ترجمہ: حضرت مولاے کائنات سے مروی ہے،وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابوبکر و عمر تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں انبیاومرسلین کے علاوہ اہل جنت کے تمام بوڑھوں اور جوانوں کے سردار ہیں۔

(۲) کنز العمال ج ۱۱،ص ۵۶۰ حدیث ۳۲۶۴۵ میں ہے:

ابوبکر و عمر خیر الاولین و الآخرین و خیر اھل السمٰوات و خیر اھل الارضین الا النبیین و المرسلین ۔

ترجمہ :ابوبکر وعمر انبیاومرسلین کے علاوہ تمام اولین وآخرین سے افضل ہیں۔تمام آسمان والوں سے افضل ہیں۔تمام زمین والوں سے افضل ہیں۔

(۳) بخاری شریف ج۱ ص۵۱۶، مطبوعہ مجلس برکات، مبارک پور میں ہے:

عن ابن عمر، قال: کنا نخیر بین الناس فی زمان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فنخیر ابابکر ثم عمر الخ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں لوگوں کے درمیان ایک پر دوسرے کو فضیلت دیا کرتے تو ابوبکر صدیق کو افضل سمجھتے تھے۔ پھر عمر فاروق کو الخ۔

(۴) اس حدیث کے تحت عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۶ :، ص : ۱۷۷، میں ہے:

قولہ: [نخیر] ای : کنا نقول: فلان خیر من فلان، وفلان خیر من فلان، فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وبعدہ کنا نقول: ابو بکر خیر الناس۔

ترجمہ: یعنی آپ کی حیات ظاہری میں جب کہا کرتے کہ فلاں، فلاں سے اور فلاں، فلاں سے بہتر ہے تو اس کے بعد کہا کرتے کہ ابوبکر صدیق تو سب سے افضل ہیں۔

(۵) اسی میں ہے:

فی روایۃ عبید اللہ بن عمر عن نافع الآتیۃ فی مناقب عثمان : کنا لا نعدل بابی بکر، ای لا نجعل لہ مثلا۔

[ہم لوگ حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں مانتے تھے]

(۶) ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۰۶ میں ہے:

عن عمر بن الخطاب قال: ابو بکر سیدنا، وخیرنا، واحبنا الی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر ہمارے سردار، اور ہم میں سب سے افضل اور حضور کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(۷) ابوداؤد شریف، ص ۶۳۶ میں ہے:

عن ابن عمر، قال: کنا نقول فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینہم۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: صحابہ عہد رسالت میں یوں کہا کرتے تھے: ہم لوگ حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں ٹھہراتے ہیں پھر حضرت عمر کے برابر بھی نہیں، پھر حضرت عثمان کے برابر بھی نہیں ٹھہراتے ہیں، پھر خاموش ہو جاتے اور کسی صحابی کو دوسرے سے افضل نہیں کہتے۔

(۸) اسی میں ہے:

ان ابن عمر قال: کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی: "افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابو بکر"۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر کہتے ہیں: ہم لوگ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری ہی میں یوں کہتے: نبی کریم ﷺ کے بعد پوری امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۹) فضائل صحابہ للامام احمد بن حنبل ج ۱ میں ہے:

حدیث: ۵۲: حدثنا عن ابی ہریرۃ قال: کنا نعد و اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوافرون: خیر ہذہ الامۃ بعد

نبیھا ابو بکر و عمر ۔

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہے : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اگرچہ کثیر تعداد میں تھے مگر ہم کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر اور عمر ہیں۔

(۱۰) **حدیث ۵۳**: حدثنا عن ابن عمر قال : کنا نفضل علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا بکر ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں ابو بکر صدیق کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔

(۱۱) **حدیث ۵۴**: حدثنا عن ابن عمر قال : کنا فی زمن النبی ﷺ لا نعدل بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بابی بکر ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ عہد رسالت میں ہم لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو حضرت ابو بکر صدیق کے برابر نہیں کہتے تھے۔

(۱۲) **حدیث ۵۶** : حدثنا .. عن الزهری قال : اخبرنی سالم بن عبد اللہ، ان عبد اللہ بن عمر قال : انا قد کنا نقول، ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی : افضل امة رسول اللہ بعده ابو بکر ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمر نے فرمایا: ہم لوگ حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں یوں کہا کرتے : آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں۔

(۱۳) **حدیث**: ۵۷ حدثنا عن ابن عمر قال : کنا نتحدث علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ان خیر هذه الامة بعد نبیھا

ابو بکر ۔

ترجمہ : حضرت ابن عمر فرماتے ہیں : عہد رسالت میں ہم لوگ یوں کہا کرتے : حضور ﷺ کے بعد پوری امت میں سب سے افضل ابو بکر ہیں۔

(۱۴) **حدیث ۵۸**: حدثنا عن ابن عمر قال کنا نقول فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم : رسول اللہ خیر الناس ثم ابو بکر ثم عمر ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر نے فرمایا ہے : ہم عہد نبوی میں کہا کرتے : حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر ہیں اور آپ کے بعد ابو بکر صدیق ۔

(۱۵) **حدیث ۵۹**: حدثنا عن ابن عمر قال کنا نعد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی واصحابه متوافرون : ابوبکر و عمر ۔

ترجمہ: ابن عمر نے کہا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات ظاہری سے تھے اور صحابہ کی کثیر تعداد موجود تھی تو ہم لوگ پہلے نمبر پر ابو بکر صدیق دوسرے نمبر عمر فاروق کو شمار کیا کرتے۔

(۱۶) الانتصار از ابوالحسین یحییٰ یمنی شافعی (م ۵۵۸ھ) ج ۳ ص ۸۵۹، اور لمعة الاعتقاد از موفق الدین ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ) ج ۱ ص ۳۴ میں ہے:

روی ابو الدرداء عن النبی ﷺ انه قال: ما طلعت الشمس ولا غربت بعد النبیین والمرسلین علی افضل من ابی بکر ۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : انبیاء و مرسلین کے بعد ابو بکر سے بہتر کوئی پیدا نہیں ہوا۔

(۱۷) معالم اصول الدین از امام رازی (م ۶۰۶ھ) ج ۱ ص ۱۰۷ میں

ہے:

واللہ! ماطلعت ولاغربت بعدالنبیین افضل من ابی بکر۔

ترجمہ: بخدا! انبیا کے بعد ابوبکر سے بہتر اس دنیا میں کوئی نہیں آیا۔

(۱۸) فضائل الخلفاء الاربعۃ از ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) ج ۱ ص ۳۸ میں ہے:

قال (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم): ان الشمس لم تشرق علی احد او تغب خیر من ابی بکر الا النبیین والمرسلین۔

ترجمہ: اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انبیا و مرسلین کے سوا ابوبکر سے بہتر کسی نے اس کائنات میں قدم نہیں رکھا۔

(۱۹) المحاسن والمساوی از ابراہیم بیہقی (م ۳۲۰ھ) ج ۱، ص ۱۵، سبل الھدی والرشاد از محمد بن یوسف الشامی (م ۹۴۲ھ) ج ۱۱ ص ۲۵۴ میں ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان ابابکر خیر من طلعت علیہ الشمس وغربت۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: (انبیا و رسولانِ عظام کے سوا) پوری دنیا کے لوگوں سے بہتر ابوبکر ہیں۔

(۲۰) المعجم الاوسط از امام طبرانی (م ۳۶۰ھ) ج ۶ ص ۲۹۲ اور تاریخ الخلفا از امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ج ۱ ص ۴۰ میں ہے:

عن أسعد بن زرارۃ قال: رأیت رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس، فالتفت التفاتۃ، فلم یرَ أبا بکر، فقال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم: ابو بکر، ابو بکر، ان روح القدس جبریل اخبرنی آنفا: "ان خیر امتك بعدك ابو بکر الصدیق"۔

ترجمہ: اسعد بن زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے دران خطاب لوگوں پر نگاہ ڈالی تو وہاں حضرت ابوبکر کو موجود نہ پا کر فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ ابوبکر کہاں ہیں؟ ابھی ابھی حضرت جبریل امین نے آ کر مجھے خبر دی کہ "آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں"۔

تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہوئی ان احادیث اور صحابۂ کبار کے ارشادات کے بعد مزید ورق الٹیے اور اہل بیت عظام کے بھی متواتر فرامین میں افضلیت صدیقی کا نظارہ کیجیے!

اہل بیت کے فرامین

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۸ کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر میں ہے کہ مولا علی کے صاحب زادے حضرت محمد بن حنفیہ کہتے ہیں:

قلت لابی: ایُّ الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ قال: ابوبکر۔

ترجمہ: میں نے والد گرامی حضرت مولائے کائنات سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟ ارشاد فرمایا: ابوبکر۔

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۱: ، باب فضل عمر میں ہے کہ مولائے کائنات نے فرمایا:

خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں۔

(۳) فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل ج ۱ میں ہے:

حدیث: حدثنا عن عبد خیر عن علی: خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر۔

ترجمہ: عبد خیر سے مروی ہے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر و عمر ہیں۔

(۴) الحجۃ فی بیان المحجۃ للامام ابی القاسم (م ۵۳۵) ج ۲ ص ۳۴۵ مطبوعہ دار الرآیۃ، ریاض میں ہے:

عن علقمۃ قال: بلغ علیا ان اقواما یفضلونہ علی ابی بکر و عمر فصعد المنبر فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال: یاایھا الناس! انہ بلغنی ان قوماً یفضلونی علی ابی بکر و عمر، ولو کنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ، فمن سمعتہ بعد ھذا الیوم یقول ھذا، فھو مفتر، علیہ حد المفتری۔ ثم قال: ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر الخ۔

ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مولا علی کو خبر ملی کہ کچھ لوگ انہیں ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتے ہیں۔ یہ سن کر آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: اے لوگو! معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ مجھ کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم پر فضیلت دیتے ہیں۔ اگر میں نے پہلے سے اس بارے میں بتا دیا ہوتا تو ایسا کہنے والوں کو ضرور سزا دیتا۔ مگر آج کے بعد جسے ایسا کہتا سنوں گا، وہ مفتری ہے اور اس پر مفتری کی سزا (اسّی کوڑے) لازم ہوگی۔ پھر فرمایا: یقیناً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں افضل صدیق اکبر ہیں پھر فاروق اعظم۔

(۵) فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل ج ۱، ص ۸۳ حدیث ۴۹، میں ہے:

عن الحکم بن جحل قال: سمعت علیا یقول: لایفضلنی احد علی ابی بکر و عمر و الاجلدتہ حد المفتری۔

ترجمہ: حکم بن جحل کہتے ہیں کہ میں نے مولا علی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کوئی مجھے ابو بکر و عمر پر فضیلت نہ دے، ورنہ میں اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی سزا (اسّی کوڑے) ہے۔

(۶) الاعتقاد للبیہقی ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ بیروت میں ہے:

عن الحکم بن جحل قال :خطبنا علی بالبصرۃ فقال:الا لایفضلنی احدعلی ابی ابکر وعمر،لااوتی باحد فضلنی علیھما الاجلدتہ حدالمفتری۔

ترجمہ: حکم بن جحل کہتے ہیں کہ مولا علی نے بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: سن لو! کوئی مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت نہ دے۔جو مجھے ان حضرات پر فضیلت دیتا ہوا ملے گا، میں اسے وہی سزادوں گا جومفتری کی سزا (اسّی کوڑے) ہے۔

(۷) تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر ج ۳۰ ص ۳۸۳ مطبوعہ بیروت میں ہے:

قال علی:لااجد احدا یفضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدتہ حد المفتری۔

ترجمہ: حضرت مولا علی نے فرمایا: میں جس کو بھی پاؤں گا کہ وہ مجھے ابوبکر وعمر پرفضیلت دے رہا ہے تو اسے وہی سزادوں گا جومفتری کی سزا (اسّی کوڑے) ہے۔

(۸) الصواعق المحرقۃ، ج ۱ ص ۱۸۷ مطبوعہ لبنان میں دارقطنی کے حوالہ سے ہے:

ان اباجحیفۃ کان یری ان علیا افضل الامۃ فسمع اقواما یخالفونہ فحزن حزنا شدیدا، فقال لہ علی بعدان اخذبیدہ وادخلہ بیتہ :ما احزنك یا ابا جحیفۃ؟ فذکر لہ الخبر، فقال :الا اخبرك بخیر ھذہ الامۃ : خیرھا ابوبکر ثم عمر۔ قال ابوجحیفۃ :فاعطیت اللہ عھدا ان لا اکتم ھذا الحدیث بعد ان شافھنی علی مابقیت۔

ترجمہ: صحابی رسول حضرت ابوجحیفہ کے خیال میں مولا علی رضی اللہ عنہ افضل

امت تھے۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے برخلاف کہتے ہوئے سنا تو بہت زیادہ رنجیدہ ہوئے۔حضرت مولا علی ان کو رنجیدہ دیکھ کر ہاتھ پکڑ کر کاشانۂ مبارک میں لے گیے اور رنجیدگی کا سبب پوچھا۔ انہوں نے وجہ بتائی تو آپ نے فرمایا : کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ امت میں سب سے افضل کون ہیں؟ سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر۔حضرت ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ یہ سُن کر میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کرلیا کہ جب مولا علی نے خود مجھ سے بالمشافہ یہ فرمایا، تو میں زندگی میں کبھی بھی آپ کے اس ارشاد کو نہیں چھپاؤں گا۔

(۹) اسی کے ص ۱۸۵ میں ہے:

قال الذھبی :وقد تواتر ذالك انہ فی خلافتہ و کرسی مملکتہ و بین الجم الغفیر من شیعتہ ثم بسط الاسانید الصحیحۃ فی ذالك قال ویقال رواہ عن علی نیف و ثمانون نفسا وعدد منھم جماعۃ ...یعضد ذالك :ما فی البخاری عنہ انہ قال :خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر رضی اللہ عنھما ثم رجل اٰخر .فقال ابنہ محمد ابن الحنفیۃ ثم انت فقال انما انا رجل من المسملین وصحح الذھبی وغیرہ طرقا اخریٰ عن علی بذالك وفی بعضھا :الا وانہ بلغنی ان رجالا یفضلونی علیھما فمن وجدتہ فضلنی علیھما فھو مفتر، علیہ ما علی المفتری۔ الا ولو کنت تقدمت فی ذالك لعاقبت، الا وانی اکرہ العقوبۃ قبل التقدم ۔ واخرج دارقطنی عنہ :لااجد احدا فضلنی علی ابی ابکر وعمر الاجلدتہ حد المفتری۔

ترجمہ :امام ذہبی نے فرمایا ہے :یہ بات آپ سے آپ کے دورخلافت و

حکومت میں بھی تواتر کے ساتھ بیان ہوتی رہی ۔اسی طرح آپ کے محبین کے جم غفیر کے درمیان بھی بیان ہوتی رہی ۔ پھر امام ذہبی نے اس کی صحیح سندوں کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کرکے فرمایا: کہا جاتا ہے کہ اسّی سے زائد لوگوں نے حضرت علی سے یہ روایت کی ہے، جن میں سے ایک جماعت کو آپ نے شمار بھی کیا ہے ۔

اس روایت کو بخاری شریف میں مذکور اس روایت سے بھی تقویت ملتی ہے، جس میں حضرت مولا علی سے مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر، پھر ایک اور آدمی کا نام آپ نے لیا تو آپ کے شہزادے حضرت محمد بن حنفیہ نے عرض کی کہ ان کے بعد آپ۔تو جواب میں ارشاد فرمایا :میں تو ایک عام مسلمان ہوں ۔امام ذہبی نے دوسری کئی سندوں سے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے جن میں سے بعض میں ہے کہ مولا علی نے فرمایا :مجھے یہ خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حضرات شیخین سے افضل بتاتے ہیں،لوگو! اچھی طرح سن لو! جو مجھے ان دو بزرگوں سے افضل کہتا ہو وہ مفتری ہے اور میں اسے مفتری کی سزا (اسّی کوڑے کی مار) دوں گا۔سن لو! اگر میں اس تعلق سے پہلے بیان کردیا ہوتا تو آج سزا دیتا،مگر میں واضح کردینے سے پہلے سزا دینا پسند نہیں کرتا۔

دارقطنی نے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس کو بھی میں پاؤں گا کہ وہ مجھے حضرات شیخین سے افضل کہتا ہے اس پر مفتری کی حد (اسّی کوڑے) لگاؤں گا۔

(۱۰) صواعق محرقہ ج ۱ ص ۱۵۸ میں ابن عساکر کے حوالہ سے ہے :

عن سالم بن ابی الجعد قلت لمحمد بن الحنفیة :قلت :فبم

ابوبکر وسبق حتی لا یذکر احد غیر ابوبکر؟ قال :لانه کان افضلهم اسلاما حین اسلم حتی لحق بربه۔

ترجمہ: سالم بن ابی جعد کہتے ہیں کہ میں نے مولیٰ علی کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ سے عرض کی : کیابات ہے کہ ابوبکر سب سے بالا رہے اور سبقت لے گئے کہ لوگ ان کے علاوہ کسی اور کا تذکرہ ہی نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا : اس لیے کہ جب وہ اسلام لائے تو از روئے اسلام وہ سب سے افضل تھے اور اسی حال میں اپنے رب سے جاملے۔

(۱۱) پھر اسی کے ص ۷۹ میں ہے کہ حضرت زین العابدین بن امام حسین شہید نے کوفیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر وعمر، ولم یستطیعوا ان یقولوا فیهما شیئا وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذالك فبرئتم منهما،فمن بقی؟فوالله مابقی احد الابرئتم منه۔

ترجمہ: خوارج گذر گئے جنہوں نے عثمان وعلی رضی اللہ عنہما سے تبرّی کی جو ابوبکر وعمر سے کم درجہ تھے،مگر ابوبکر وعمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں پائی۔ کوفیو! تم ان سے اوپر چلے گئے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے تبرّی کرڈالے۔تو اب کون بچا؟ خدا کی قسم کوئی نہ بچا جس پر تم نے تبرّا نہ کیا۔

(۱۲) مسند احمد بن حنبل ج ۲۷ ص ۲۶۴ حدیث ۱۶۷۰۹ میں ہے:

جاء رجل الی علی بن الحسین رضی الله تعالیٰ عنهما فقال :ما کان منزلة ابی بکر وعمر من النبی ﷺ؟ فقال :منزلتهما الساعة وهما ضجیعاه۔

ترجمہ: ایک شخص نے امام حسین کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ کی بارگاہ میں ابوبکر و عمر کا مرتبہ کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو مرتبہ ان کا اب ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں وہ آرام کر رہے ہیں۔

(۱۳) صواعق محرقہ ج۱ ص ۱۵۵ میں دارقطنی کے حوالہ سے ہے کہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے:

اجمع بنو فاطمة رضی الله تعالی عنهم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن ما یقول من القول۔

ترجمہ: اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شیخین کے بارے میں سب سے اچھی بات (کہ آپ دونوں پوری امت میں سب سے بہتر ہیں) کہنے پر اجماع کر لیا۔

(۱۴) پھر اسی کے ص ۱۶۴ میں ہے:

عن جندب الاسدی ان محمد بن عبدالله بن الحسن اتاه قوم من اهل الکوفة والجزیرة فسألوه عن ابی بکر و عمر فالتفت الی فقال: انظروا الی اهل بلادك یسئلونی عن ابی بکر و عمر، لهما عندی افضل من علی۔

ترجمہ: جندب اسدی سے روایت ہے کہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے پوتے، حضرت حسن مثنّٰی کے صاحبزادے، امام محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ اور جزیرہ کے کچھ لوگ آئے اور صدیق اکبر و فاروق اعظم کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا: اپنے شہر والوں کو دیکھو! مجھ سے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے بارے میں سوال کرتے ہیں، وہ دونوں تو میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں۔

(۱۵) تفسیر الامام الشافعی میں مناقب الشافعی للبیہقی ج۱، ص: ۲۳۴ اور مناقب الشافعی لابن الکثیر کے حوالے سے ہے:

یقول محمد بن عبد الله بن عبد الحکم سمعت محمد بن ادریس الشافعی یقول: أفضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ابو بکر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علی رضی الله عنهم۔

ترجمہ: محمد بن عبد اللہ بن حکم فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے سنا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

(۱۶) حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی "غنیۃ الطالبین" ج۱:، ص: ۱۵۷، ۱۵۸، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان میں ہے:

ویعتقد اهل السنة ان امة نبینا محمد صلی الله علیه وسلم خیر الامم اجمعین۔

وافضلهم اهل القرن الذین شاهدوه وآمنوا به وصدقوه وبایعوه وتابعوه وقاتلوا بین یدیه ومدوا بأنفسهم واموالهم وعزروه ونصروه۔

وافضل اهل القرن اهل الحدیبیة الذین بایعوه بیعة الرضوان وهم الف واربع مائة رجل۔ وافضلهم اهل بدر وهم ثلاث مائة وثلاثة عشر رجلا عدد اصحاب طالوت۔ وافضلهم الاربعون اهل دار الخیزران الذین کملوا بعمر بن الخطاب۔

وافضلهم العشرة الذین شهد لهم النبی صلی الله علیه وسلم بالجنة وهم: ابو بکر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبیر وعبد الرحمٰن بن

عوف وسعد وسعید وابو عبیدة بن الجراح۔ وأفضل هؤلاء العشرة الابرار الخلفاء الراشدون الاربعة الاخیار۔ وافضل الاربعة ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ترجمہ: اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ امت محمدی علی صاحبھا الصلاۃ والسلام تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہے اور اس پوری امت میں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ان پر ایمان لائے، ان کی تصدیق کی، ان سے بیعت کی، ان کی پیروی کی، حضور صلی الہ علیہ وسلم کے سامنے کفار سے جنگ کی، جان و مال سے آپ کی امداد اور نصرت وحمایت کی۔

پھر ان لوگوں میں سب سے افضل اہل حدیبیہ میں وہ ایک ہزار چار سو نفوس عالیہ ہیں جن کو بیعت رضوان کا شرف ملا۔ پھر ان لوگوں میں سب سے افضل بدری صحابہ ہیں جن کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تین سو تیرہ تھی۔ پھر ان لوگوں میں سب سے افضل اہل خیزران ہیں جن کی تعداد حضرت عمر فاروق کی شمولیت سے چالیس مکمل ہوجاتی ہے۔ پھر ان میں سب سے افضل صحابہ عشرہ مبشرہ ہیں۔

پھر ان دسوں میں سب سے افضل چار خلفائے راشدین ہیں۔ پھر ان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر ہیں پھر حضرت عثمان ہیں پھر حضرت علی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۱۷) حضرت داتا گنج بخش سید علی حسنی ہجویری، لاہوری، جن کے مزار اقدس پر خواجہ غریب نواز سید معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ جیسی عظیم ہستی نے چلہ کیا اور کہا:

گنج بخش فیض عالم، مظہر نورِ خدا عاملاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما۔

وہ اپنی لطیف ومشہور عالم کتاب ''کشف المحجوب'' ص ۴۳ میں فرماتے ہیں:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقدم جمیع خلائق است از پس انبیا صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ وروا نباشد کہ کسے قدم اندر پیش وے نہد۔

ترجمہ: صدیق اکبر انبیا صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بعد تمام خلائق سے مقدم ہیں۔ کسی کے لیے بھی ان سے آگے بڑھ جانے کی گنجائش نہیں۔

(۱۸) اسی میں ہے:

امام دین ہمہ مسلمانے وی است عام وامام اہل ایں طریقت وی است خاص۔ رضی اللہ عنہ

ترجمہ: تمام مسلمانوں کے عام طور پر اور اہل طریقت کے خاص طور پر دینی امام وہی ہیں۔

(۱۹) محبوب الٰہی کے خلیفۃ سید محمد بن مبارک کرمانی امیر خورد ''سیر الاولیا'' کے دیباچہ ص ۵ میں لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کہ بعد از حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاضل ترین ہمہ امت بود وخلیفۃ رسول رب العالمین وسید اہل تجرید و بادشاہ ارباب تفرید بود۔

ترجمہ: امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت سے افضل، رسول رب العالمین کے خلیفۃ، اہل تجرید کے سردار اور ارباب تفرید کے بادشاہ ہیں۔

(۲۰) سید میر عبد الواحد بلگرامی (پ ۹۱۵ھ) کی کتاب ''سبع سنابل''، ص ۱۰، مطبوعہ لاہور میں ہے:

فضل ختنین از فضل شیخین کم ترست بے نقصان و بے قصور ومحبت شیخین با
محبت ختنین برابرست بے تفاوت وفتور۔

ترجمہ: حضرت عثمان اور مولا علی کی فضیلت کسی نقصان وقصور کے بغیر
حضرت ابوبکر وعمر کی فضیلت سے کم اور حضرت ابوبکر وعمر کی محبت کسی تفاوت وفتور
کے بغیر حضرت عثمان وعلی کی محبت کی برابر ہے۔

(۲۱) حضرت ابوالفیض سید مرتضیٰ حسین زبیدی حسینی مصری (۱۱۴۵ھ۔
۱۲۰۵ھ) ''اتحاف السادۃ المتقین'' ج ۲، ص ۲۲۷ میں فرماتے ہیں:

ان فضل الصحابة رضی الله عنهم علی حسب ترتیبهم فی الخلافة،
فأفضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ابو بکر، ثم عمر،
ثم عثمان، ثم علی؛ اذ المسلمون کانوا لا یقدمون أحدا فی الامامة تشهیا
منهم، وانما یقدمونه لاعتقادهم بأنه اصلح وافضل من غیره؛ اذ
حقیقة الفضل ماهو فضل عند الله عزوجل، وذالك لا یطلع علیه الا
رسول الله صلی الله علیه وسلم باطلاع الله سبحانه ایاه۔ وقد ورد عنه فی
الثناء علی جمیعهم اخبار صحیحة یحتج بها، وانما یفهم حقیقة تفضیله
علیه لبعضهم علی بعض المشاهدون زمان الوحی والتنزیل واحوال
النبی صلی الله علیه وسلم معهم واحوالهم معه بظهور القرائن
الاحوال الدالة علی التفضیل وظهور دقائق التفضیل لهم، دون من
لم یشهد ذلك۔ ولکن قد ثبت ذلك التفضیل لنا صریحا من بعض
الاخبار ودلالة من بعضها الخ۔

ترجمہ: صحابۂ کرام کی فضیلت اسی ترتیب کے مطابق ہے جس ترتیب پر

خلافت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر سب سے افضل ہیں پھر
حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم؛ کیوں کہ صحابہ کسی کو امامت کے
لیے اپنی خواہش کے مطابق آگے نہیں بڑھاتے تھے، حضرت ابوبکر کو اس لیے آگے
بڑھاتے تھے کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آپ ہی دوسروں سے افضل ہیں؛ اس لیے کہ حقیقی
فضیلت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا
دوسرا کوئی اس پر مطلع نہیں ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ آپ کو بذریعۂ وحی اس کا علم تھا، اور
آپ سے تمام صحابہ کی شان میں صحیح مستدل بہ حدیثیں وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
بعض صحابہ کو بعض سے افضل قرار دینے کی حقیقت کو وہی حضرات سمجھتے تھے جنہوں نے
وحی اترنے اور قرآن نازل ہونے کے زمانے کا، اسی طرح صحابہ کے ساتھ نبی کے
احوال اور نبی کے ساتھ صحابہ کے احوال کا مشاہدہ، تفضیل پر دلالت کرنے والے ظاہری
قرائن ودقائق کے ساتھ کیا تھا۔ نہ کہ وہ لوگ جن کو مشاہدہ نہیں ہوا۔ اور ہمارے حق
میں یہ تفضیل بعض احادیث سے صراحتاً اور بعض سے دلالتاً ثابت ہے۔

فقیر رضوی عرض گذار ہے کہ ممکن ہے، ان روایتوں میں بعض راوی متکلم
فیہ بھی ہوں، مگر یاد رہے کہ اس طرح کی روایتیں توثیق مزید کے لیے ہیں، استدلال
کے لیے نہیں۔ اور توثیق وتائید کے باب میں اس طرح کی روایتیں مقبول ہیں۔
ہاں! مقام استدلال میں اس طرح کی روایتیں کارآمد نہیں ہوتی ہیں جیسا کہ فائدہ نمبر
۵ میں بیان ہوا ہے۔

اب ایک بار مزید ورق الٹیے اور اجل ائمہ، علما اور اکابر صوفیا کے اقوال کی بھی
سیر دیکھیے!

اجل ائمہ، علما اور اکابر صوفیا کے اقوال

(۱) بحر الرائق، ج:۱، ص:۲۸۸، ناشر: زکریا بکڈپو، دیوبند میں ہے:

روی ان ابا حنیفة سئل عن مذهب أهل السنة والجماعة فقال: هو أن تفضل الشيخين وتحب الختنين۔

ترجمہ: امام اعظم ابوحنیفہ سے اہل سنت وجماعت کے تعلق سے سوال ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اہل سنت کی پہچان حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کو افضل سمجھنا، حضرت عثمان غنی اور علی مرتضی سے محبت کرنا ہے۔

(۲) تفسیر الامام الشافعی میں مناقب الشافعی للبیہقی ج۱، ص ۴۳۲: اور مناقب الشافعی لابن الکثیر کے حوالے سے ہے:

ویقول محمد بن عبد الله بن عبد الحكم سمعت محمد بن ادريس الشافعي يقول: افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم۔

ترجمہ: محمد بن عبد اللہ بن حکم فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے سنا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

(۳) الصواعق المحرقة للعلامة ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) ص۸۶: میں ہے:

فقد حكى ابو عبد الله المازري عن المدونة ان مالكا رحمه الله

سئل ای الناس افضل بعد نبيهم فقال ابو بكر ثم عمر ثم قال: اوفی ذالك شك؟۔

ترجمہ: امام مالک سے سوال ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ابوبکر صدیق، ان کے بعد عمر فاروق۔ پھر ارشاد فرمایا: کیا اس بارے میں کوئی شک ہے؟۔

(۴) عقائد نسفية لنجم الدين ابو عمر النسفی (م ۵۳۷ھ) ص ۱۴: میں ہے:

افضل البشر بعد نبينا ابو بكر الصديق ثم عمر الفاروق الخ۔

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اور دوسرے انبیا) کے بعد افضل بشر حضرت ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق ہیں:

(۵) لمعة الاعتقاد لموفق الدين ابن قدامة حنبلی (م ۶۲۰ھ) ج ۱ ص ۳۵ میں ہے:

افضل امته ابو بكر الصديق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورين ثم علي المرتضى رضي الله عنهم اجمعين؛ لما روى عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: كنا نقول والنبي صلى الله عليه وسلم حي: افضل هذه الامة بعد نبيها ابو بكر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علي، فيبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فلا ينكره۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل شخص حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس لیے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی میں ہم لوگ کہا کرتے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے افضل شخص ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنتے مگر اس طرح کہنے سے منع نہیں فرماتے۔

(۶) اسی کے حاشیہ میں ہے :

رواہ ابو داؤد فی سننہ :عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال :کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی :افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ورواہ الترمذی وقال :حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ:ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی میں کہا کرتے تھے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل شخص ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین۔اس کو ترمذی نے بھی رویت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۷) قواعد العقائد للامام الغزالی (م ۵۰۵ھ) ج ۱ ص ۷۰ میں ہے :

وان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم وان یحسن الظن بجمیع الصحابۃ ویثنی علیہم کما اثنی اللہ عز وجل ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین۔

ترجمہ :نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (اس امت میں) سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی ہیں ۔ رضی اللہ عنہم۔تمام صحابہ کے بارے

میں حسن ظن رکھنا اور ان کی تعریف وتوصیف کرنا چاہئے جیسے اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے۔

(۸) الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ للعلامۃ یوسف بن اسماعیل النبہانی (م ۱۳۵۰ھ) ج ۱ ص ۱۵،۱۶ میں ہے:

ونثبت الخلافۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولا لابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ تفضیلا لہ وتقدیما علی جمیع الامۃ، ثم لعمر الخطاب رضی اللہ عنہ، ثم لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ثم لعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وہم الخلفاء الراشدون والائمۃ المہدیون۔

ترجمہ :ہم رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کو ثابت مانتے ہیں ؛اس لیے کہ آپ تمام صحابہ سے افضل ومقدم ہیں پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی، پھر حضرت علی مرتضی کے لیے ثابت مانتے ہیں اور یہ حضرات خلفاے راشدین اور ائمہ مہدیین کہلاتے ہیں۔

(۹) اسی کے ص ۱۹ میں ہے :

فاما الخلفاء الراشدون فہم افضل من غیرہم، وترتیبہم فی الفضل عند اہل السنۃ کترتیبہم فی الامامۃ، ای الخلافۃ، وہذا لمکان ان قولنا :فلان افضل من فلان۔ معناہ :ان محلہ عند اللہ تعالی فی الدار الآخرۃ ارفع، وہذا غیب لا یطلع علیہ الا اللہ ورسولہ ان اطلعہ علیہ، ولا یمکن ان ندعی نصوصا قاطعۃ من صاحب الشرع متواترۃ مقتضیۃ للفضیلۃ علی ہذا الترتیب، بل المنقول الثناء علی جمیعہم، و

استنباط حکم الترجیحات فی الفضل من دقائق ثنائه علیهم رمی فی
عمایة واقتحام امر خطر اغنانا الله عنه۔ وتعرف الفضل عند الله
بالاعمال مشکل ایضا وغایته رجم ظن۔ فکم من شخص محروم الظاهر
وهو عند الله بمکان لسر فی قلبه وخلق خفی فی باطنه، وکم من مزین
بالعبادات الظاهرة وهو فی سخط الله لخبث مستکن فی باطنه فلا مطلع
علی السرائر الا الله تعالیٰ۔

ترجمہ: خلفاے راشدین دوسروں سے افضل ہیں۔ اہل سنت کے
نزدیک ان کی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو ان کی خلافت میں ہے؛ کیوں کہ
جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں سے فلاں افضل ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ
بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مقام ومرتبہ بلند تر ہے۔ مگر یہ بات ہم
سے مخفی ہے، جس کا علم اللہ رب العزت اور اس کے بتانے سے اس کے رسول
کے پاس ہے۔ اور یہ دعوی کرنا ممکن نہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے ایسی
قطعی نصوص جو متواتر ہوں منقول ہیں جن سے یہی ترتیبِ فضیلت ثابت ہوتی ہو،
ہاں! احادیث میں ان کی مدح وثنا منقول ہے۔ کسی صحابی کی شان میں بڑی بڑی
فضیلت وارد ہونے کی بنا پر حکم ترجیح کا استنباط کرنا اندھیرے میں تیر چلانے کے
مرادف ہے اور سنگین امر کا ارتکاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ نیز
اعمال ظاہرہ سے یہ پتہ لگانا کہ اللہ کے نزدیک اس کا فضل ومرتبہ کیا ہے؟ دشوار
اور خیال خام ہی ہے؛ کیوں کہ بہت ایسے لوگ ہیں جن کے کوئی ظاہری اعمال
نہیں ہیں مگر خلوص قلب اور پنہاں اخلاق کی وجہ سے بارگاہ رب العزت میں بہت
اونچے مقام پر ہوتے ہیں۔ اور کتنے ہی ایسے ظاہری اعمال والے ہیں جو خبث

باطن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان باتوں کا علم
صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔

(۱۰) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اصفہانی ج ۴: ص ۹۲ : میں ہے:

قال (فرات بن السائب) :سألت میمون بن مهران، قلت :علیّ
افضل عندك ام ابو بکر وعمر؟ قال :فارتعد حتی سقطت عصاه من
یده، ثم قال :ما کنتُ أظن أن أبقی الی زمان یعدل بهما، ذَرهُما، کانا
رأسی الاسلام ورأسی الجماعة۔

ترجمہ: فرات بن سائب نے کہا کہ میں نے حضرت میمون بن مہران
تابعی (م ۱۱۶ھ) سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل
ہیں یا ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما؟ فرات بن سائب کہتے ہیں: حضرت
میمون یہ سن کر اس طرح کانپ اٹھے کہ ان کے ہاتھ سے عصا گر گیا اور انہوں نے
فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس وقت تک زندہ رہوں گا جب حضرت ابوبکر وعمر رضی
اللہ عنہما کا تقابل کسی سے کیا جانے لگے گا۔ ان دونوں کے بارے میں کیا پوچھتے ہو
؟ یہ دونوں تو اسلام کی بنیاد اور جماعت اہل سنت کے سردار ہیں۔

(۱۱) سلسلۂ سہروردیہ کے اصل بانی حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب
سہروردی اپنی مشہور کتاب "آداب المریدین" میں لکھتے ہیں:

افضل البشر بعده ابوبکر۔ [انبیاے کرام کے بعد سارے انسانوں
سے افضل ابوبکر صدیق ہیں]۔

(۱۲) امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶) معالم اصول الدین ج ۱ ص
۱۰۷ میں فرماتے ہیں:

فهٰذا یدل علی ان ابابکر رضی الله عنه افضل من کل من لیس بنبی وانه دون من کان نبیا۔

ترجمہ: یہ حدیث دلالت کررہی ہے کہ ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ ایسے تمام لوگوں سے افضل ہیں جو نبی نہیں نیزیہ کہ ان کا مرتبہ نبیوں کے بعد ہے۔

(۱۳) مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری "شرح آداب المریدین" ص ۱۱۴ میں فرماتے ہیں:

بہترین آدمیاں بعد پیغامبر علیہ السلام ابوبکرصدیق است رضی اللہ عنہ؛ زیرا کہ پیغامبرما علیہ التسلیم فرمودہ است :ماطلعت ولاغربت بعدالنبیین والمرسلین علی ذی الصحبة بخیرمن ابی بکر۔ برنیاید آفتاب وفرودنرود بعد از پیغمبراں علیہم السلام بر ہیچ ذاتے بہتر از ابی بکر۔ ودرخبر دیگر آمدہ است :لم یفضلکم ابو بکر بکثرة صیام ولا صلاة و انما فضلکم بشیء وقر فی صدرہ۔ فاضل نہ شدہ است برشما ابوبکر بہ بسیارے صیام و نہ بہ بسیارے نماز، و بدرستی و راستی کہ فاضل شدہ است بچیزے کہ زرک گشتہ است درسینۂ او، وآں تعظیم خداوند تعالیٰ است۔

ترجمہ :انبیائے کرام کے بعد سارے انسانوں سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں؛ کیوں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :انبیا ومرسلین کے بعد سورج کسی ایسے شخص پر طلوع وغروب نہیں ہوا جو ابو بکو صدیق سے بہتر ہو ۔ایک دوسری حدیث میں ہے :ابوبکر کثرت صوم وصلات کی وجہ سے تم سے افضل نہیں ہوئے ، وہ تو افضل اس قیمتی چیز کی وجہ سے ہوئے جو ان کے سینے میں ڈال دی گئی ہے اور وہ قیمتی شے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال ہے۔

(۱۴) خالد بن عبد اللہ اپنی شرح لمعة الاعتقاد ج ۱۴ ص ۵ میں لکھتے ہیں:

فابوبکر رضی الله عنه افضل الامة بعد نبیها صلی الله علیه وسلم، بل هو افضل الناس بعد الانبیاء۔

ترجمہ :ابوبکرصدیق انبیائے کرام کے بعد سارے انسانوں سے افضل ہیں۔

(۱۵) یوسف بن محمد علی غفیص اپنی شرح لمعة الاعتقاد ج ۱۴ ص ۴ میں لکھتے ہیں:

لاشك فیه :ان ابابکر افضل بنی آدم بعد الانبیاء والمرسلین۔

ترجمہ: بے شک ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ انبیا ومرسلین کے بعد سارے انسانوں سے افضل ہیں۔

صاحب زبدۃ التحقیق نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل پیش فرمائے ہیں، ان دلائل کے بطن سے جو اعتراضات پیدا ہوتے ہیں، اب ذیل میں وہ اعتراضات اوران کے جوابات ملاحظہ فرمانے کے لیے ایک باراور ورق گردانی کیجیے!

اعتراضات وجوابات

اعتراض (۱)

اگر افضلیت کا مسئلہ اجماعی ہوتا تو کیا اسلاف اس میں اختلاف کرتے؟ جب کہ علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) الاستیعاب ج ۳ ص ۲۵ پر لکھتے ہیں:

اختلف السلف فی تفضیل علی وابی بکر۔

ترجمہ: حضرت علی وابوبکر کی تفضیل میں اسلاف کا اختلاف ہے۔

ابن حزم الظاہری "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" ج ۴ ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں:

اختلف المسلمون فیمن ھو افضل الناس بعد الانبیاء علیھم السلام، فذھب بعض اھل السنة وبعض المعتزلة وبعض المرجئة وجمیع الشیعة الی ان افضل الامة بعد رسول الله علی بن ابی طالب وقد روینا ھٰذا القول نصا عن بعض الصحابة وعن جماعة من التابعین و الفقھاء وذھبت الخوارج کلھا وبعض اھل السنة و بعض المعتزلة وبعض المرجئة الی ان افضل الصحابة بعد رسول الله ابو بکر وعمر رضی الله عنھما۔

ترجمہ: مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا کہ انبیا علیہم السلام

کے بعد کون افضل ہے؟ سو، بعض اہل سنت، بعض معتزلہ، بعض مرجئہ اور سارے شیعہ کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں اور ہم نے یہ قول صحابہ اور تابعین وفقہا کی ایک جماعت سے نصاً روایت کیا ہے۔ سارے خارجیوں، بعض اہل سنت اور بعض معتزلہ اور بعض مرجئہ کا یہ مذہب ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (بعد) سارے صحابہ سے افضل ہیں۔

"الفصل فی الملل والاھواء والنحل" ہی کی ج ۴، ص ۱۱۱ میں ابن حزم تحریر کرتے ہیں:

روینا نحو عشرین من الصحابة ان اکرم الناس علی رسول الله علی بن ابی طالب والزبیر بن العوام۔

ترجمہ: ہم نے تقریباً بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام سب سے افضل ہیں۔ (زبدۃ التحقیق ص ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۳)

جواب:

علامہ عبد البر نے بلحاظ لغت "سلف" کا لفظ عام معنی میں استعمال کیا ہے، جو اہل سنت اور شیعہ دونوں کو شامل ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان اختلاف ہے؛ کیوں کہ خود علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب ج ۳ ص ۹۷۳ میں حضرت مولاے کائنات کا ارشاد نقل فرمایا ہے :

لا یفضلنی احد علی ابی بکر وعمر الا جلدته حد المفتری

ترجمہ: مجھے کوئی ابوبکر وعمر پر فضیلت نہ دے، ورنہ میں اسے مفتری کی سزا (اسّی کوڑے کی مار) دوں گا۔

اسی وجہ سے علامہ ابن عبد البر نے الاستذکار ج ۵ ص ۱۱۰ پر اہل سنت کے ارباب فقہ وحدیث کا مسلک ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

جماعة اهل السنة وهم اهل الفقه والآثار علی تقدیم ابی بکر وعمر وتولی عثمان وعلی وجماعة اصحاب النبی علیه السلام و ذکر محاسنهم و نشر فضائلهم و الاستغفار لهم۔

ترجمہ: جماعت اہل سنت کے ارباب فقہ وحدیث کا مسلک ابوبکر وعمر کی تقدیم اور عثمان وعلی نیز اصحاب نبی کی جماعت سے محبت اور ان کے محاسن کا ذکر، فضائل کی تشہیر اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا ہے۔

اور اخیر میں فرمایا ہے:

وھذا ھو الحق الذی لا یجوز عندنا خلافه۔ والحمد للہ!

ترجمہ: الحمد للہ! ہمارے نزدیک یہی مسلک حق ہے جس کے خلاف عقیدہ رکھنا درست نہیں۔

اور شیخ محقق عبد الحق نے تکمیل الایمان ص ۱۴۸، ۱۴۹ میں فرمایا ہے:

وابن عبد البر کہ از مشاہیر علمائے حدیث است در استیعاب ذکر می کند کہ سلف اختلاف کردہ اند در تفضیل ابوبکر وعلی ۔۔۔۔

ولیکن می گویند کہ ایں مقالہ از ابن عبد البر مقبول ومعتبر نیست؛ زیرا کہ روایت شاذہ کہ مخالف قول جمہور افتد معتبر نہ باشد و جمہور ائمہ دین اجماع نقل می کنند۔ وبر تقدیر وتسلیم ایں روایت وے ازاں جماعت صحابہ کہ تفضیل علی مرتضی نقل کردہ وامثال آں روایات ۔۔۔ضرر بہ مقصود ندارند ومنافی مدعائے ما نیست۔ مدعائے ما ایں جا چنانچہ تحریر کردہ اند اثبات فضیلت بوجہے خاص (یعنی افضلیت مطلقہ) است وآں بہ مفضولیت بوجہے دیگر منافات ندارد۔ وایں فضائل کہ ذکر کردہ شد راجع بکثرت ثواب ونفع اہل اسلام نیست بلکہ بہ مزید شرف نسب وکرامت جوہر ذات است۔

ترجمہ: ابن عبد البر جو ایک حدیث کے مشہور جان کار ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''استیعاب'' میں بیان کیا ہے کہ ''سلف نے حضرت ابوبکر وعلی کی افضلیت کے بارے اختلاف کیا ہے''، مگر محققین نے فرمایا ہے کہ ابن عبد البر کی یہ روایت مقبول ومعتبر نہیں ہے؛ کیوں کہ جمہور کے بالمقابل شاذ روایتوں کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اور جمہور ائمۂ دین حضرت ابوبکر کی افضلیت پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ جب کہ جماعت صحابہ سے حضرت علی مرتضی کی افضلیت پر ان کی نقل کردہ یہ روایت اور اس طرح کی دوسری روایتیں مقصود کے خلاف اور ہمارے مدعا کے منافی نہیں۔ ہمارا مدعا تو اس جگہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی

افضلیت ایک خاص وجہ(افضلیت) سے ہے اور اِن روایات میں مفضولیت دوسری وجہ سے ہے ۔ لہٰذا ان میں منافات نہیں؛ کیوں کہ اِن روایات میں جن فضائل کا تذکرہ ہے وہ کثرت ثواب اور نفع اہل اسلام سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ شرف نسب اور کرامت جوہر ذات سے متعلق ہیں۔

بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو بزبان ''زبدۃ التحقیق'' الحجۃ علی الخلق ہیں، انہوں نے اپنے مجموعہ فتاوی ص ۶۹ میں الریاض النضرۃ کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے:

وقد اجمع اهل السنة من السلف والخلف من اهل الفقه والاثران عليا افضل الناس بعدعثمان و هٰذا ممالم يختلف فيه و انما اختلفوا فى على و عثمان، و اختلف ايضابعض السلف فى على وابى بكر ذكره ابو عمروبن عبدالبر فى كتاب الصحابة۔ قال ابوالقاسم عبد الرحمٰن بن الخباب السعدى فى كتابه المسمى ب "الحجة لسلف هٰذه الامة فى تسميتهم الصديق بخليفة رسول الله" صلى الله عليه وسلم ۔وهم فى ذالك ابو عمر وغلط غلطا ظاهرا لمن تأمله يعنى ذكرالخلاف فى تفضيل على على ابى بكر، و ذالك انه ذكر فى كتابه تعريضا لاتصريحا انه كان من جملة من يعتقد ذالك ابو سعيد، وابوسعيد ممن روى عن على ان ابابكر

خير الامة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكيف يعتقد فى على انه خير ابى بكر وقد روى عن على ذالك۔ و اذا تقرر ان اهل السنة اجمعوا على ذالك، علم ان ابن عمر لم يرد باحاديثه المتقدم ذكرها فى باب الثلٰثة نفى افضلية على بعد عثمان ويدل على ذالك انه قد جاء فى بعض طرق حديثه فقال رجل لابن عمر :يا اباعبد الرحمٰن! فعلى ؟قال ابن عمر :على من اهل البيت لايقاس بهم على مع رسول الله فى درجة الى الله عزوجل يقول "و الذين آمنوا و ابتعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم"۔ فاطمة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى درجة وعلى مع فاطمة عليهما السلام۔ اخرجه على ابن نعيم البصرى وهٰذا ادل دليل على انه لم يرد بسكوته عن ذكر على فى افضليته وانما سكت عنه لما ابداه لما سئل عنه كانه قال :افضل الناس من اصحابه لا من اهل بيته۔

ترجمہ : فقہا و محدثین اہل سنت کے سلف وخلف نے اجماع کیا ہے کہ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی ہی سب سے افضل ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف تو اس میں ہے کہ حضرت عثمان اور علی میں کون افضل ہیں؟ بعض سلف نے حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے مابین بھی مسئلہ افضلیت میں اختلاف کیا ہے

جس کو ابوعمرو بن عبد البر نے کتاب الصحابہ میں ذکر کیا ہے۔ مگر ابو
القاسم عبدالرحمٰن ابن الخباب السعدی نے اپنی کتاب "الحجۃ
لسلف ھٰذہ الملۃ فی تسمیتہم الصدیق بخلیفۃ رسول
اللہ" میں فرمایا ہے: ابوعمرو کو وہم ہو گیا اور اس نے حضرت ابوبکر
پر حضرت علی کی فضیلت کے بیانِ اختلاف پر غور کرنے والے کے
نزدیک کھلی غلطی کی، اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اسے
تعریض کے طور پر بیان کیا ہے، تصریح کے طور پر نہیں۔ وہ تو اس
باب میں ابوسعید کے موافقین میں ہیں اور ابوسعید وہ ہیں جنہوں نے
حضرت علی سے روایت کی ہے کہ "حضرت ابوبکر اللہ کے رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر امت ہیں" جب خود انہوں نے ہی حضرت
علی سے اس کی روایت کی ہے، تو وہ کیسے یہ اعتقاد رکھیں گے کہ
حضرت علی حضرت ابوبکر سے افضل ہیں؟ جب یہ ثابت ہو گیا کہ
اہل سنت نے اس پر اجماع کیا ہے تو معلوم ہوا کہ ابن عمر نے
مذکورہ بالا وہ حدیثیں جن میں حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان کا ذکر ہے،
ان حدیثوں کے ذریعے حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کی
افضلیت کی نفی کی تردید نہیں کی ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس
حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ "اس پر کسی نے ابن عمر سے کہا:
اے ابوعبدالرحمٰن! ان حضرات کے بعد حضرت علی افضل ہیں؟ تو
حضرت ابن عمر نے فرمایا: حضرت علی اہل بیت کے فرد ہیں ان کو
دوسرے لوگوں پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ علی کا مقام تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدا کے نزدیک یہ ہے کہ ارشاد ربانی
ہے: "اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ
ان کی پیروی کی، ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی" حضرت فاطمہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلند درجہ میں ہیں اور حضرت علی
حضرت فاطمہ کے ساتھ ہیں۔ اس کی تخریج علی بن نعیم بصری نے کی
ہے۔ یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ حضرت علی کی افضلیت سے
سکوت فرما کر آپ نے حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کی
افضلیت کی نفی نہیں کی ہے بلکہ پوچھے جانے سے آپ نے سمجھا کہ
سائل میرے سکوت سے حضرت علی کی افضلیت کی نفی سمجھ رہا ہے تو
فرمایا: میں حضرت عثمان کے بعد صحابہ کی افضلیت کی بات کر رہا
ہوں اہل بیت سے افضلیت کی نہیں۔

اور اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

وازیں عبارت صریح مستفاد می شود کہ کلام ابن عمر درمقامِ رد
است بر کسے کہ از کلام او نفی تفضیل علی بعد از عثمان فہمیدہ بود۔
پس حاصل کلام ابن عمر آنست کہ در زمان آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم صحابہ این سہ کس را تفضیل بترتیب می دادند وآئندہ
سکوت می کردند ودر حقیقت بعد از عثمان علی افضل است از جمیع
من عداہ؛ زیرا کہ او از اہل بیت است واہل بیت را بصحابہ
قیاس نتواں کرد درقدرے کہ بنص تفضیل غیر او بر او معلوم
شد قائل باید شد وبر دیگراں او را افضل باید دانست۔ وبسا مسائل

کہ درزمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ ازاں بحث نہ کردہ
انداین مسئلہ ہم ازاں قبیل است۔

ترجمہ: اس عبارت سے صریح طور پر مستفاد ہوتا ہے کہ ابن
عمر کا کلام ایسے شخص کے رد میں ہے جو ان کے ارشاد سے یہ سمجھ
رہا تھا کہ وہ حضرت عثمان کے بعد بھی حضرت علی کی افضلیت کی نفی
فرماتے ہیں۔ لہذا ابن عمر کے کہنے کا حاصل یہ ہوا کہ زمانۂ رسالت
ﷺ میں صحابہ، حضرات شیخین اور ذوالنورین کی افضلیت کو ترتیب
وار بیان کرتے، اس کے بعد خاموش رہتے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے
کہ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی ہی دوسرے تمام حضرات سے
افضل ہیں؛ کیوں کہ وہ اہل بیت کے فرد ہیں اور اہل بیت کو صحابہ
پر قیاس نہیں کر سکتے۔ صرف انہیں حضرات کی افضلیت کا قائل
رہنا چاہئے جن کی افضلیت پر نص موجود ہے۔ اور دوسروں سے
حضرت علی کو افضل ماننا چاہئے۔ بہت سارے مسائل جن سے
صحابہ نے زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحث نہیں کی ہے، یہ
مسئلہ بھی اسی قبیل کا ہے۔

اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ ص ۱۸۱، ۱۸۲ میں فرمایا ہے:

قلت: ان ما حكاه اولا من السلف اختلفوا فی تفضيلهما
فهو شیء غريب ،انفرد به عن غيره ممن هو اجل منه
حفظا واطلاعا فلا يعول عليه ،فكيف والحاكی لاجماع
الصحابة والتابعين على تفضيل ابی وعمر وتقديمهما

على سائر الصحابة جماعة من اكابر الأئمة منهم الشافعی
رضی الله عنه كما حكاه عنه البيهقی وغيره وان من
اختلف منهم انما اختلف فی علی وعثمان۔

وعلى التنزل فی انه حفظ ما لم يحفظ غيره ،فيجاب عنه
بان الأئمة انما اعرضوا عن هذه المقالة لشذوذها ذهابا
الی ان شذوذ المخالف لا يقدح فيه او رأوا انها حادثة
بعد انعقاد الاجماع ،فكانت فی حيز الطرح والرد على ان
المفهوم من كلام ابن عبد البر ان الاجماع استقر على
تفضيل الشيخين على الختنين۔

ترجمہ: ابن عبد البر سے منقول یہ بات کہ ”اسلاف نے ان
دونوں کی افضلیت کے متعلق اختلاف کیا ہے“ عجیب وغریب
ہے۔ وہ اس بیان ونقل میں ان لوگوں سے منفرد ہیں جو حفظ
واطلاع میں ان سے زیادہ قوی ہیں، لہذا اس بیان کا اعتبار
نہیں ہوگا۔ بھلا یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے جب کہ
تمام صحابہ پر حضرت ابوبکر وعمر کی افضلیت اور ان کی تقدیم پر
صحابہ وتابعین کے اجماع کو نقل کرنے والی اکابر ائمہ کی وہ
جماعت ہے جس میں امام شافعی جیسی عظیم ہستی شامل ہے، جیسا
کہ امام بیہقی وغیرہ نے ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اکابرین
میں سے جنہوں نے اختلاف کیا ہے، ان کا اختلاف تو حضرت
عثمان وعلی کے تعلق سے ہے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ ابن عبد البر نے وہ بات یاد رکھی ہے جس کو کوئی دوسرا یاد نہیں رکھ سکا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان اکابرین ائمہ نے اس بات کے شاذ ہونے کی وجہ سے اس سے اعراض کیا ہے؛ کیوں کہ مخالف شذوذ پر جرح وقدح نہیں کی جاتی۔ یا اس خیال سے انہوں نے ترک فرمادیا کہ یہ انعقاد اجماع کے بعد کی بات ہے جو مقبول نہیں۔ جیسا کہ ابن عبد البر کے کلام سے یہی مفہوم ومتبادر ہے کہ ختنین پر شیخین کی افضلیت کے متعلق اجماع ہو چکا ہے۔

رہیں ابن حزم کی نقل کردہ روایتیں! تو وہ روایت ودرایت دونوں ہی اعتبار سے مخدوش ہیں۔ پھر بھی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے تسلیم کی جائیں، تو سب ظاہری اور جزئی افضلیت پر ہی محمول ہوں گی۔ جب کہ اہل سنت کا موقف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعلق سے افضلیت باطنیہ مطلقہ کا ہے۔ جس کے نتیجہ میں حدیث کے مطابق پوری امت کے ایمان سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان راجح ہے۔

چناں چہ حدیث پاک میں ہے:

لووزن ایمان ابی بکر بایمان امتی لرجح بھم۔

ترجمہ: میری امت اور ابوبکر کے ایمان کو تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان راجح ہوگا۔

اگر چہ اس حدیث کے براہ راست مرفوع ہونے کے تعلق سے بعض راوی کی بنا پر کچھ کلام کیا گیا ہے، مگر موقوف ہونے یعنی ارشاد عمر

فاروق ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اس کی سند بالاتفاق صحیح ہے۔ اور غیر قیاسی بات میں حدیث موقوف بھی حکما مرفوع ہی ہوتی ہے۔

اور حضرت صدیق اکبر کے خلوص دل اور فضل رحمانی پر زبان رسالت کی گواہی موجود ہے۔ جیسا کہ امام ابوبکر کلابازی بخاری حنفی (م ۳۸۰) نے التعرّف ج۱ ص۱۷۹، اور بحر الفوائد ج۱ ص۴۰ میں فرمایا ہے:

قد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ابی بکر رضی اللہ عنہ: انہ لم یفضلکم بکثرۃ صلاۃ ولا صیام ولکن بشئ وقر فی صدرہ۔

ترجمہ: نبی صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے: ابوبکر نماز، روزے کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے بلکہ اس چیز کی وجہ سے جوان کے سینے میں ودیعت کردی گئی ہے۔

امام غزالی قدس سرہ (م ۵۰۵) نے قواعد العقائد ج۱ ص۱۱۶ میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

ما فضلکم ابو بکر بکثرۃ صیام، ولا صلاۃ ولکن بسر وقر فی صدرہ۔

ترجمہ: ابوبکر تم سے نماز روزے کی کثرت کی بنا پر افضل نہیں ہوئے بلکہ اس راز کی وجہ سے افضل ہوئے جوان کے دل میں بھر دیا گیا ہے۔

امام ابو محمد عفیف الدین یافعی (م ۷۶۸ھ) نے مرأۃ الجنان ج۱، ص

۶۰ میں فرمایا ہے :

ورد من قوله صلی اللہ علیه وآله وسلم :مافضلکم ابوبکر بکثرۃ صلاۃ، ولا صوم ولکن بشئ وقر فی صدرہ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ابوبکر تم لوگوں سے نماز، روزے کی زیادتی کی بنا پر افضل نہیں ہوئے۔ بلکہ اس وجہ سے ہوئے کہ ان کے سینے کے اندر ایک خاص چیز ودیعت کردی گئی ہے۔

امام شرف الدین حسین بن عبداللہ الطیبی (م ۷۴۳ھ) نے فتوح الغیب، ج ۵، ص ۱۶۵ میں لکھا ہے :

و فی الحدیث :لم یفضلکم ابوبکر بکثرۃ صوم، و لا صلاۃ ولکنه لشئ وقر فی القلب۔

ترجمہ: حدیث میں ہے کہ ابوبکر تم لوگوں سے افضل کثرتِ صوم وصلاۃ کی وجہ سے نہیں ہوا ہے، بلکہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس کے دل میں ایک خاص چیز بھر دی گئی ہے۔

علامہ ابوالقاسم شہاب الدین دمشقی (م ۶۶۵ھ) نے خطبۃ الکتاب المؤمل ج ۱ ص ۱۵۳ میں فرمایا ہے :

ومافضل ابوبکر رضی اللہ عنه الناس الا بشئ وقر فی صدرہ کما شھد له سید البشر۔

ترجمہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف اس وجہ سے افضل ہوئے کہ ان کے دل میں ایک خاص چیز ودیعت ہوئی ہے جیسا کہ صادق ومصدوق

سید البشر ﷺ نے اس کی شہادت دی ہے۔

علامہ ابراہیم بن عمر بقائی (م ۸۸۵ھ) نے نظم الدرر ج ۲۰ ص ۴۴۰ میں فرمایا ہے:

و الخلق انما تفاضلوا بالمعرفة باللہ، لا بالاعمال، انما سبق ابوبکر رضی اللہ عنه الناس بشئ و قر بصدرہ فان بالمعرفة تزکوا الاعمال وتصلح الاقوال۔

ترجمہ: مخلوق ایک دوسرے سے افضل معرفت باللہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اعمال کی وجہ سے نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صرف اس وجہ سے افضل ہوئے کہ ان کے دل میں ایک خاص چیز بھر دی گئی تھی؛ کیوں کہ معرفت ہی سے اعمال مزکّیٰ اور اقوال صالح ہوتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے الحبائك فی اخبار الملائك ج ۱ ص ۲۳۰ میں فرمایا ہے:

لم یجز التفضیل فی باب الطاعات، وان کثرت طاعات احدھم وقلت معارف الآخر واحواله قدم شرف العلم والاحوال علی شرف الاعمال والاقوال ولهذا جاء فی الحدیث :ماسبقکم ابوبکر بکثرۃ صوم ولا صلاۃ ولکن بامر وقر فی صدرہ۔

ترجمہ: عبادتوں کی وجہ سے کسی کو کسی سے افضل قرار دینا جائز نہیں، اور اگر ایک کی عبادتیں زیادہ اور دوسرے کے

معارف واحوال کم ہوں تو علم و احوال کی شرافت کو اعمال
واقوال کی شرافت پر مقدم رکھا جائے گا۔اسی وجہ سے حدیث
میں وارد ہوا ہے :ابوبکر کثرت صوم وصلاۃ کی وجہ سے تم پر
سبقت نہیں لے گیے بلکہ ایک ایسی بات کی وجہ سے جوان کے
دل میں ودیعت رکھی گئی ہے۔

علامہ شمس الدین الشربینی شافعی (م ۹۷۷ھ) نے اپنی تفسیر السراج
المنیر ج ۴ ص ۳۹۲ میں آیت کریمہ [مالکم ترجون للہ وقارا]کی تفسیر
کرتے ہوئے فرمایا ہے:

و (للہ) بیان للموقر ولوتأخر لکان صلة الوقار فان
بالمعرفة تزکوا الاعمال وتصلح الاقوال، انما سبق ابوبکر
رضی اللہ عنہ بشئ وقر فی صدرہ۔

ترجمہ: لفظِ للہِ موقر کا بیان ہے۔اگر یہ لفظ موخر ہوتا تو لفظِ وقار
کا صلہ ہوتا؛ کیوں کہ معرفت ہی سے اعمال مزّکیٰ اوراقوال
صالح ہوتے ہیں۔حضرت ابوبکر کی افضلیت تو اس قیمتی چیز کی
وجہ سے ہے جوان کے سینے میں ودیعت کردی گئی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) الیواقیت والجواھر ص ۴۳۷
میں فرماتے ہیں:

دلیل اھل السنة فی تفضیل ابی بکر علیٰ علی رضی اللہ
عنہما الحدیث الصحیح :ما فضلکم ابوبکر بکثرۃ
صوم ولاصلاۃ ولکن بشئ وقر فی صدرہ، وھونص صریح

فی انہ افضلھم۔

ترجمہ: اہل سنت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کی دلیل یہ حدیثِ صحیح
ہے: ابوبکر تم سے کثرت صوم وصلاۃ کی وجہ سے افضل نہیں ہے
بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے سینے میں ایک بڑی قیمتی شَے
ودیعت کردی گئی ہے۔یہ حدیث نص صریح ہے کہ وہ سب صحابہ
سے افضل ہیں۔

اس کے برخلاف جن احادیث میں بعض صحابہ کو افضل کہا گیا ہے
،اوران کی وجہ سے بعض اہل سنت کے اقوال میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے،ان
میں سے کچھ احادیث تو ایسی ہیں کہ وہ اپنے رواۃ کی وجہ سے سرے سے ہی قابل
احتجاج نہیں چہ جائے کہ اجماع، قرآن عظیم کی متبادر المعنی آیتوں، رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں، صحابۂ کبار کے ارشادات، اہل بیت کے متواتر فرامین
اوراجل ائمہ وعلما اوراکابر صوفیا کے صریح اقوال کے بالمقابل دلیل بن سکیں۔

زبدۃ التحقیق میں پیش کردہ ایک ایک حدیث کو نقل کر کے،ان پر گفتگو کرنا تو
اپنے اوقات کو ضائع کرنا اور قارئین کو خواہ مخواہ طوالت میں ڈالنا ہے،اس لیے
نمونے کے طور پر صرف چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے!

پہلی مثال:

ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ
عنہ سے کہا:

یاخیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،
فقال ابوبکر :اما ان کنت ذاك فلقد سمعته یقول :ما
طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر ۔

ترجمہ:اے وہ شخص جو سب لوگوں سے بہتر ہے بعد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر ہو۔(زبدۃ التحقیق ص۱۰۷)

اس روایت میں ایک راوی عبداللہ بن داؤد واسطی ہیں جن کے تعلق سے امام بخاری نے التاریخ الکبیر ج ۵ ص ۸۲ میں فرمایا ہے :

فیہ نظر ۔[اس میں نظر ہے]

ابن حبان نے کتاب المجروحین ج ۱ ص ۵۲۸ میں فرمایا ہے :

منکر الحدیث جدا، یروی المناکیر عن المشاهیر، لایجوز الاحتجاج بروایته ۔

ترجمہ: عبداللہ بن داؤد واسطی حد درجہ منکر الحدیث ہیں،منکر احادیث کو مشہور محدثین کی طرف منسوب کر کے روایت کرتے ہیں،ان کی روایت سے استدلال جائز نہیں۔

امام ذہبی نے تاریخ الاسلام ج ۴ ص ۱۱۳۸ میں فرمایا ہے :

روی احادیث موضوعة کانه آفتها ۔

[اس نے بہت سی گڑھی ہوئی حدیثیں روایت کی ہیں جو ان

کے لیے آفت جاں ہیں]

امام ابن حجر کی تقریب التہذیب ص ۵۰۳ میں ہے :

ضعیف ۔[ابوداؤد واسطی ضعیف راوی ہے]

امام نسائی نے الضعفا والمتروکین ص ۲۱۸ میں فرمایا ہے :

ضعیف ۔[ابوداؤد واسطی ضعیف ہے]

ابوزرعہ رازی نے سوالات البرذعی ص ۱۳۵ میں لکھا ہے :

ضعیف الحدیث ۔[ابو داؤد واسطی حدیث روایت کرنے میں ضعیف ہے]

امام ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۴۸ میں فرمایا ہے :

لیس بقوی، حدث بحدیث منکر وفی حدیثه مناکیر ۔
[یہ قوی نہیں ہے،منکر حدیث بیان کرتا ہے۔اس کی روایت کردہ حدیثوں میں بہت سی حدیثیں منکر ہیں۔]

اسی وجہ سے خود امام ترمذی نے فرمایا ہے:

هٰذا حدیث غریب ،لانعرفه الا من هٰذا الوجه ولیس اسناده بذاك ۔

یہ غریب حدیث ہے،اس حدیث کو ہم اور کسی روایت سے نہیں پہچانتے ہیں،اس کی سند بھی قابل قبول نہیں ہے۔

دوسری مثال:

ابن ماجہ کی یہ روایت ہے جس کے الفاظ ہیں:

ارفع درجة فی الجنة عمر ۔[جنت میں سب سے بلند مرتبہ

انسان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔] (زبدۃ التحقیق
ص ۱۲۰)

ابن ماجہ ص ۳۰۷ باب فتنۃ الدجال میں یہ حدیث تقریباً ڈیڑھ صفحے میں بیان ہوئی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ دجال جب فتنہ مچاتا ہوا آگے بڑھتا جائے گا تو ایسے میں اللہ تعالی اس کے پاس ایک شخص کو بھیج دے گا جس سے وہ خبیث پوچھے گا کہ بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ وہ شخص کہے گا : میرا رب اللہ ہے اور تم اللہ کے دشمن دجال ہو۔ دجال سے ایسا کہنے والا شخص جنت میں میری امت سے بلند تر درجہ میں ہوگا۔ حدیث کے راوی حضرت سعید کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ وہ شخص حضرت عمر کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔

ابن ماجہ میں اس حدیث کے الفاظ ہیں: ذالك الرجل ارفع امتی درجة فی الجنة [وہ شخص جنت میں میری امت سے بلند درجہ میں ہوگا] حدیث کے راوی حضرت سعید نے فرمایا کہ "واللہ ما کنا نری ذالك الرجل الا عمر بن الخطاب [خدا کی قسم ہم تو سمجھتے تھے کہ وہ شخص عمر بن خطاب ہی ہوں گے]

مگر "زبدۃ التحقیق" میں یہ روایت ان لفظوں سے نقل کی گئی ہے:

ارفع درجة فی الجنة عمر۔ [جنت میں سب سے بلند مرتبہ انسان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں گے]

یعنی راوی کے اپنے خیال کو حدیث کا لفظ قرار دے دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ دعوی بھی کیا گیا ہے کہ اس حدیث کو کسی نے بھی ضعیف نہیں کہا ہے۔

حالاں کہ اس روایت میں ایک راوی اسماعیل بن رافع بن عویمر ہیں جن کے تعلق سے امام نسائی نے "الضعفا والمتروکین" ص ۱۷۹ میں کہا ہے:

لیس بثقة، ضعیف، متروك الحدیث۔

[ثقہ نہیں ہیں ضعیف و متروک الحدیث ہیں]

ابن حبان نے المجروحین ج ۱ ص ۱۳۱ میں فرمایا ہے:

كان رجلا صالحا، الا انه یقلب الاخبار حتی صار الغالب علی حدیثه المناكیر التی یسبق الی القلب أنه كان كالمعتمد لها۔

ترجمہ: تھے تو نیک آدمی، مگر حدیثیں الٹ پلٹ دیتے تھے۔ ان کی روایت کردہ بیش تر حدیثیں ایسی ہی منکرات ہیں جو دلوں میں جلدی جاگزیں ہو جائیں، جس کی وجہ سے لوگ ان پر اعتماد کرلیں۔

امام ذہبی نے الکاشف ج ۱ ص ۲۴۵ میں فرمایا ہے:

ضعیف واهن۔ [بہت زیادہ ضعیف تھے]

امام ابن امام ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب ص ۱۳۹ میں فرمایا ہے:

ضعیف الحفظ، من السابعة۔

[ساتویں درجے کے راوی اور حافظہ کے کمزور تھے]

امام جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال ج ۱ ص ۸۵ میں فرمایا ہے:

قال: عن احمد بن حنبل۔ عن یحیی بن معین: ضعیف زاد حنبل: منكر الحدیث۔

ترجمہ: امام احمد بن حنبل نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ اسماعیل بن رافع ضعیف ہیں اور خود یہ فرمایا ہے کہ وہ منکر

الحدیث ہیں۔

تیسری مثال:

درمنثور میں حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت ہے جس میں ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال:علی خیر البریۃ۔

ترجمہ : نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت ہے کہ علی سب مخلوق سے (باستثناے انبیا) افضل ہیں۔اس جگہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب مخلوق سے افضل کہا گیا۔

اس سے مراد ساری امت، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب مرتضی رضی اللہ عنہ کو سب مخلوق سے اچھا فرمانا ایک حجت قویہ شرعیہ ہے اور صحابۂ کرام کا اس پر عمل فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں سرکار کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ امت کا مجموعی عقیدہ ہے۔یہاں کوئی تاویل ممکن نہیں ہوگی۔(زبدۃ التحقیق ص ۲۶۴)

جب کہ یہی روایت تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۳۷۱ میں ان الفاظ سے مروی ہے:

اخبرنا ابو القاسم بن السمرقندی، انا ابو القاسم مسعدۃ، انا حمزۃ بن یوسف، انا ابو احمد بن عدی، نا الحسن بن علی الاھوازی، نا معمر بن سھل، نا ابو سمرۃ احمد بن سالم، نا شریك، عن الاعمش، عن عطیۃ، عن ابی سعید، عن

النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :علی خیر البریۃ۔

اس لیے امام ذہبی نے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳۶ میں فرمایا ہے :

ھٰذا کذب وانما جاء عن الاعمش، عن عطیۃ العوفی، عن جابر قال: "کنا نعد علیا من خیارنا"، وھٰذا حق۔

ترجمہ: "علی خیر البریۃ" [علی سب مخلوق سے افضل ہیں] کے الفاظ سے روایت جھوٹ ہے۔ سچّی روایت یہ ہے جو حضرت جابر سے مروی ہے کہ "کنا نعد علیا من خیارنا" [ہم لوگ علی کو اپنے بہتر لوگوں میں شمار کرتے تھے] اور یہ بات حق ہے۔

چوتھی مثال:

ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۳۶ میں مذکور اس روایت کی ہے جس میں ہے کہ:

عن انس :قال کان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم طیر فقال :اللھم ائتنی باحب خلقك الیك یأکل معی ھٰذا الطیر، فجاء علی فأکل معہ۔

ترجمہ: حضرت انس کی روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک (بھنا ہوا) پرندہ تھا۔آپ نے دعا مانگی کہ اے میرے اللہ! میرے پاس وہ بندہ لے آ، جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے پیارا ہو، جو میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے۔سو حضرت علی آگئے تو انھوں نے سرکار دو

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر اسے کھایا۔

حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۶ ص ۲۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں :

انہ احب الخلق الی اللہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ رواہ انس فی حدیث الطائر۔

ترجمہ : جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد (اور سارے انبیا کے بعد) اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ (اس بات کو جناب انس رضی اللہ عنہ نے حدیث طائر میں روایت کیا ہے) (زبدہ ص ۱۱۳)

اس کی سند کے تعلق سے امام عبدالوہاب شعرانی الیواقیت والجواھر ص ۴۳۷ میں فرماتے ہیں:

هٰذا الحدیث ذکرہ ابن الجوزی فی الموضوعات، وافرد له الحافظ الذهبی جزأ و قال :ان طرقه کلها باطلة و اعترض الناس علی الحاکم حیث ادخله فی المستدرك ۔

ترجمہ: اس حدیث کو ابن جوزی نے "موضوعات" میں شامل کیا ہے اور علامہ ذہبی نے اسی پر پورا ایک جز تیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق باطل ہیں اور امام حاکم کے اسے مستدرک میں شامل کرنے پر محدثین نے اعتراض کیا ہے۔

حضرت ملا علی قاری مرقاۃ المفاتیح ج ۹ ص ۳۹۳۸ میں لکھتے ہیں:

فنقول وباللہ التوفیق: هٰذا الحدیث لا یقاوم ما اوجب تقدیم ابی بکر والقول بخیریته من الاخبار الصحاح منضما الیها اجماع المسلمین لمکان سنده. فان فیه لاهل النقل مقالا ۔

ترجمہ : ہم توفیق الٰہی سے کہتے ہیں : یہ حدیث (حدیث طیر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور تقدیم کو ثابت کرنے والی صحیح حدیثوں اور ان حدیثوں سے متصل اجماع کی معارض نہیں ہوسکتی ، کیوں کہ اِس حدیث کی سند میں ناقدین کو کلام ہے۔

پانچویں مثال :

تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۳۷۰ میں مذکور درج ذیل روایت کی ہے :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آله و سلم :مرحبا بسید المسلمین وامام المتقین۔

[تمہارا آنا مبارک! اے سارے مسلمانوں کے سردار اور سارے متقیوں کے امام]

یہاں سب اتقیا سے اتقیٰ ہونا کسی حدیث یا کسی آیت سے استنباط نہیں کیا گیا بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر صراحت فرمائی کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب اتقیا کا سردار ہو کر اکرم الامۃ ہیں۔ (زبدۃ التحقیق ص ۲۶۳، ۲۶۴)

جب کہ اس روایت میں ایک راوی الحسن بن الحسین العرنی الکوفی ہیں جن

کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲) لسان المیزان ج ۳ ص ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے کہا ہے:

لم یکن یصدق عندھم، وکان من روساء الشیعة۔

وہ محدثین کے نزدیک سچے نہیں تھے، ان کا شمار شیعوں کے سرغنوں میں تھا۔

ابن عدی نے کہا ہے:

لا یشبه حدیثه حدیث الثقات۔

[ان کی روایت کردہ حدیث ثقہ راویوں کی روایت کردہ حدیث کی طرح نہیں]

ابن حبان نے کہا ہے:

یاتی عن الاثبات بالملزقات ویروی المقلوبات۔

[وہ ثقہ لوگوں کے حوالے سے گڑھی ہوئی باتیں پیش کرتا ہے اور روایت میں الٹ پلٹ کردیتا ہے۔]

راویوں کے بارے میں ان تنقیدات کے باوجود بھی متنوں کو کسی درجہ میں قابل اعتبار مان لیا جائے تو بھی وہ مختلف معانی کے محتمل ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مذکورہ تفضیلات سے تفضیلات جزئیہ مراد ہیں۔ چنانچہ:

پہلی مثال میں پیش کردہ حدیث، جس میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو جناب عمر رضی اللہ تعاعنہ سے بہتر ہو'' کا تعلق افضلیت جزئی سے ہے جو افضلیت مطلقہ کی منافی نہیں۔

ترمذی ہی کے حاشیہ میں ہے:

قوله "خیر من عمر" وهو اما محمول علی ایام خلافته او مقید ببعد ابی بکر اوالمرادفی باب العدالة اوفی طریق السیاسة او نحو ذالك. قاله علی فی المرقاة. و فی اللمعات: وجوه الخیریة مختلفة متعددة فلا منافاة بین کون کل منهما خیرامع کون ابی بکر افضل من جهة کثرة الثواب۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہتر ہونے کا تعلق ان کے عہد خلافت سے ہے یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد (ان کی افضلیت) ہے۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ آپ باب عدالت یا امور سیاست وغیرہ میں بہتر ہیں۔ اسی طرح حضرت ملا علی قاری نے اپنی کتاب مرقات میں فرمایا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں فرمایا ہے: افضلیت کے طریقے جداگانہ اور متعدد ہیں لہذا شیخین میں سے ہر ایک کے افضل ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے جب کہ کثرت ثواب کے لحاظ سے صدیق اکبر کا افضل ہونا مسلم ہے۔

دوسری مثال میں پیش کردہ حدیث، جس میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں سب سے بلند مرتبہ انسان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں گے، اس کے بارے میں (ابن ماجہ میں) حدیث دجال میں راوی کے الفاظ "ذلك الرجل ارفع امتی درجة فی الجنة" کا مصداق حضرت عمر کو سمجھنے کے تعلق سے ابن ماجہ ہی کے حاشیہ

پر ہے:

قوله:"الاعمر بن الخطاب" لشدته فی الدين ونصرته لامر اليقين. وقيل:ان الرجل هو الخضر عليه السلام.

ترجمہ: حدیث کے راوی نے اس (ذلك الرجل) کا مصداق حضرت عمر کو دین میں ان کی شدت اور امر یقین کی نصرت و حمایت کی بنا پر سمجھا جب کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ آدمی حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

اسی معنی کی حدیث بخاری شریف، کتاب الفتن، باب :لایدخل الدجال المدینة ،اور مسلم شریف میں بھی ہے جن کے الفاظ ہیں:

فيخرج يومئذ رجل و هو خير الناس او من خيار الناس. ترجمہ: تو اس دن ایک آدمی برآمد ہوگا جو سب سے بہتر یا سب بہتر لوگوں میں ہوگا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی اس کے تحت فرماتے ہیں:

قال ابو اسحاق :يقال:ان هذا الرجل هو الخضر.

[ابو اسحاق نے فرمایا ہے: کہا گیا ہے کہ بے شک وہ شخص خضر ہی ہیں]۔

شارح مسلم الثبوت حضرت بحر العلوم علامہ عبد العلی نے فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۶۱ میں جزم کے ساتھ فرمایا ہے:

ان هذا المومن الخضر، ولعله تشرف بالصحبة.

ترجمہ: بے شک وہ مومن حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور شاید وہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے مشرف بھی ہیں۔

اور راوی کے اپنے گمان وخیال کا واقع کے مطابق نہ ہونا تو دن کے اجالے سے زیادہ واضح ہے، کہ حضرت عمر کو وصال فرمائے ہوئے چودہ سو سال ہو چکے اور ہنوز دجال کے آنے کی اہم نشانیاں بھی کوسوں دور ہیں۔ ایسے میں اس سے حضرت عمر کی ملاقات اور گفتگو کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

اسی لیے ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح ج ۱۱ ص ۲۰۱ میں فرمایا ہے:

قال ابو سعيد والله ما كنا نرى ذلك الرجل الا عمر بن الخطاب حتى مضى لسبيله انتهى ....قوله والله ما كنا الخ .معناه :انا كنا نظن ان ذلك الرجل الذى يقتل على يد الدجال هو عمر حتى مات فتبين انه غيره. لكن يشكل أفضلية ذلك الرجل ويدفع بان معناه فى زمانه. وقد تقدم عن الجزرى فى باب العلامات بين يدى الساعة ان ذالك الرجل المقتول على يد الدجال هو الخضر عليه السلام فلا اشكال بناء على انه نبى كما هو اصح الأقوال، والله اعلم بالحال.

ترجمہ : ہم تو "ذلک الرجل" [اس آدمی] کو عمر بن خطاب ہی سمجھتے تھے، یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ابو سعید کے کہنے کا مطلب یہ کہ ہم کو یہ گمان تھا کہ جو آدمی دجال کے ہاتھوں قتل ہوگا وہ عمر ہوں گے۔ مگر جب ان کا انتقال ہو گیا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ آدمی دوسرے ہیں۔ لیکن ان کی افضلیت کا

معاملہ مشکل ہے ۔جس کاایک جواب یہ ہے کہ اپنے زمانہ
میں وہ سب سے بہتر ہوں گے ۔

دوسرا جواب یہ ہے جو جزری کی روایت سے قرب قیامت
کے باب میں بیان ہوا ہے کہ دجال کے ہاتھوں شہید ہونے
والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں جو اصح قول کی بنا پر نبی ہیں۔
لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

تیسری مثال میں بیان کردہ حدیث "علی خیر البریۃ" جس کے تعلق
سے کہا گیا ہے کہ

''یہ امت کا مجموعی عقیدہ ہے۔ یہاں کوئی تاویل ممکن نہیں ہوگی''

توسوال یہ کہ جب یہ امت کا مجموعی عقیدہ ہے جس میں کوئی تاویل بھی ممکن
نہیں۔تو پھر کیا وجہ ہے کہ بالترتیب ''زبدہ'' کے ص ۱۰۹،۱۹۹ میں یہ فرمایا گیا ہے
:

(۱) ہمارا اپنا عقیدہ بہ حیثیت سُنّی کے جناب ابوبکر صدیق رضی
اللہ عنہ کے بارے میں بہ حیثیت خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
برحق ہونے کے افضل الامۃ ہونے کا ہے۔

(۲) فقیر کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی
افضلیت بہ حیثیت خلیفۂ راشد کے برحق ہے اور اس حیثیت
سے آپ افضل الُامّۃ ہیں۔

پھر جب ''بہ حیثیت خلافت'' کی قید لگا کر اس میں تخصیص کی گئی تو کیا اس کا
مطلب یہ نہیں ہوا:

(الف) یہاں مجموعی امت کا وہ عقیدہ جو ناممکن التاویل ہے، چھوڑ کر اس
کے برخلاف عقیدہ کو اپنالیا گیا ہے۔

(ب) کیا جو شخص امت کا مجموعی عقیدہ ترک کرکے اس کے برخلاف
عقیدہ کو اپنالے، وہ سّنی رہے گا؟

(ج) جب ''زبدۃ التحقیق'' کے مطابق خلافت کو افضلیت لازم ہی نہیں تو بہ
حیثیت خلیفۂ رسول افضل ہونے کے کیا معنی ہوئے ؟

(د) کیا حضرت صدیق اکبر کو بہ حیثیت خلیفۂ راشد افضل قرار دینے کے
یہ معنی نہیں ہوں گے کہ آپ تو خلیفۂ راشد ہوں اور حضرت عمر فاروق، عثمان غنی اور علی
مرتضی رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین نہ ہوں۔ اور اگر یہ حضرات بھی خلفاے
راشدین ہوں تو پھر حضرت صدیق خلیفۂ ارشد ہوں۔

چوتھی مثال میں پیش کردہ حدیث، جس میں بھُنے ہوئے پرندہ کا تذکرہ ہے،
اس کے تعلق سے حضرت ملا علی قاری ''مرقاۃ المفاتیح'' ج۹ ص۳۸،۳۹ میں لکھتے ہیں:

فنقول وبالله التوفيق: هٰذا الحديث لا يقاوم ما اوجب
تقديم ابی بكر والقول بخيريته من الاخبار الصحاح
منضما اليها اجماع المسلمين لمكان سنده. فان فيه
لاهل النقل مقالا، ولا يجوز حمل امثاله على ما يخالف
الاجماع، ولا سيما والصحابی الذی يرويه ممن دخل فی
هذا الاجماع واستقام عليه مدة عمره. ولم ينقل عنه
خلافه. فلو ثبت عنه هذا الحديث. فالسبيل ان يؤول
على وجه لا ينتقض عليه ما اعتقده. ولا يخالف ما هو

اصح منه متنا واسنادا، وهو ان يقال يحمل قوله (باحب
خلقك) على ان المراد: ائتنى بمن هو احب خلقك اليك،
فيشاركه فيه غيره، وهم المفضلون باجماع الامة،
وهذا مثل قولهم: فلان اعقل الناس وافضلهم اى:
من اعقلهم وافضلهم، ومما يبين لك ان حمله على
العموم غير جائز هو ان النبى صلى الله عليه وسلم من
جملة خلق الله، ولا جائز ان يكون علیؓ أحب الى الله
منه. فان قيل: ذالك شيء غريب لاصل الشرع قلنا:
و الذى نحن فيه فرع ايضا بالنصوص الصحيحة
واجماع الامة، فيؤول هذا الحديث على الوجه الذى
ذكرناه، او على انه اراد به احب خلقه اليه من بنى عمه
وذويه، وقد كان النبى صلى الله عليه وسلم يطلق
القول، وهو يريد تقييده ويعم به، ويريد تخصيصه
فيعرفه ذووالفهم بالنظر الى الحال او الوقت او الامر
الذى هو فيه.

اقول: والوجه الذى يقتضيه المقام هو الوجه الثانى؛
لانه صلى الله عليه وسلم كان يكره ان يأكل وحده؛
لانه ليس من سمة اهل المروئات، فطلب من الله تعالى
ان يوتى له من يواكله، وكان ذالك برا واحسانا منه اليه
و ابر المبرات بذوى الرحم وصلته كانه قال: باحب

خلقك اليك من ذوى القرابة القريبة، ومن هو اولى
باحسانى وبرى اليه اهـ

ترجمہ: ہم توفیق الٰہی سے کہتے ہیں کہ یہ حدیث (حدیث طیر)
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور تقدیم کو ثابت
کرنے والی صحیح حدیثوں اور ان احادیث سے متصل اجماع کی
معارض نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اس کی سند میں ناقلین نے کلام کیا
ہے۔ یوں ہی اس حدیث کے نظائر کو خلاف اجماع موقف پر
محمول کرنا درست نہیں ہوگا، خصوصا جب اس کو روایت کرنے
والے ایسے صحابی ہوں جو اس اجماع میں شامل ہوں اور زندگی بھر
اسی اجماع پر قائم رہے ہوں اور ان سے اس اجماع کے خلاف
کوئی قول مروی نہ ہو۔

بالفرض اگر ان سے یہ حدیث ثابت بھی ہو تو اس کی ایسی تاویل کی
جائے گی جس سے ان کے اعتقاد پر کوئی اثر نہ پڑے اور وہ تاویل ا
س روایت کے خلاف بھی نہ ہو جو اس سے زیادہ صحیح سند ومتن سے
انہی سے مروی ہے۔ یہاں تاویل یہ ہے کہ "احب خلقك"
سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہوگی کہ الٰہی! میرے پاس
ایک ایسے آدمی کو بھیج جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں بہت زیادہ
محبوب ہو، لہٰذا اب اس (فضیلت) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے سوا دوسرے بھی شامل ہوں گے اور وہ شامل ہونے والے وہ
صحابہ ہوں گے جن کی افضلیت پر امت کا اجماع ہوا ہے۔ یہ ایسے

ہی ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں :"**فلان اعقل الناس وافضلهم**" اور مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں عقل مند اور افضل لوگوں میں سے ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ یہاں "**احب خلقك**" کو عموم پر محمول کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ بھی عموم خلق میں داخل ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مولی علی رضی اللہ عنہ کی ذات، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے افضل ہو۔ اگر کہا جائے کہ یہ چوں کہ اصل شرع کے خلاف ہے (اس لیے مستثنیٰ ہے)۔ تو ہم جواب دیں گے کہ ہمارا مسئلہ دائرہ بھی نصوص صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس لیے یہ بھی اصل شرع ہی کے خلاف (اور مستثنیٰ) ہے۔ لہذا اب اس حدیث کی ایسی ہی کوئی تاویل کرنی ہوگی جیسی ہم نے اوپر بیان کی۔ یا پھر "احب خلقک" کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائیوں میں جو زیادہ محبوب ہے؛ اس لیے کہ بسا اوقات زبان رسالت سے مطلق الفاظ صادر ہوا کرتے مگر آپ کی مراد اس سے مقید چیز ہوتی۔ یوں ہی آپ کے کلمات میں عموم ہوا کرتا مگر اس سے آپ کی مراد تخصیص ہوتی۔ جسے اہل فہم حضرات خصوصِ حال و وقت اور درپیش مسئلہ کو مدنظر رکھ کر سمجھ جاتے کہ آپ کا مقصود کیا ہے۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۶۵

و۶۶۶ میں فرماتے ہیں:

شارحاں بداں رفتہ اند وتخصیصات وتقییدات می کنند کہ از جملہ احب خلق خدا مراد است یا از احب بنی اعمام آں حضرت یا قرابتان قریب وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا کسے کہ اولی و اقرب واحق است بہ احسان کردن من بوے وغالبا ایں تخصیصات بجہت آن ست کہ احبیت از ابوبکر وعمر فاروق لازم نہ آید بہ حقیقت حاجت بہ ایں تخصیصات نیست؛ زیرا کہ یقین است کہ مراد تمام خلق علی العموم نیست، چہ احب مطلق سید المحبوبین وافضل المخلوقین است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ودر صحابہ اگر بعضے را محبوب تر بہ بعضے وجوہ دارند چہ می شود؟ وافضلیت از جہت کثرت ثواب منافات بآں ندارد چہ مراد بہ جمیع وجوہ نیست۔

ترجمہ: شارحین اس میں کئی تخصیص کرتے اور قیدیں بڑھاتے ہیں: جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علی اللہ کی پسندیدہ مخلوق میں سے ہیں۔

دوسری یہ ہے کہ حضرت علی مخلوق خدا میں حضور ﷺ کے دوسرے چچیرے بھائیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔

تیسری یہ کہ حضور ﷺ کے دوسرے قرابت داروں سے زیادہ محبوب ہیں۔

چوتھی یہ ہے کہ مخلوق خدا میں سے جو لوگ حضور ﷺ کے احسانات عمیمہ کے مستحقین ہیں، حضرت علی ان سے زیادہ مستحق

ہیں۔

غالباً یہ تخصیصیں اس لیے کرنی پڑی ہیں تا کہ محبوبیت میں حضرت ابوبکر وعمر سے بڑھ جانا لازم نہ آئے ورنہ حقیقتاً ان تخصیصات کی حاجت ہی نہیں، اس لیے کہ یہ بات تو یقینی ہے کہ حضرت علی تمام خلق خدا سے زیادہ محبوب ہو نہیں سکتے، کیوں مطلق سید المحبوبین وافضل المخلوقین تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اب اگر کسی خاص بنیاد پر صحابہ میں سے بعض کو بعض سے زیادہ محبوب سمجھا جائے تو کیا فرق پڑے گا؟ کسی خاص بنیاد پر زیادہ محبوب ہونے اور کثرت ثواب میں افضلیت کے اندر تو منافات ہے ہی نہیں؛ کیوں کہ یہ افضلیت کلیہ (افرادیہ) نہیں ہے۔

پانچویں مثال کے تحت بیان کردہ حدیث: "مرحبا بسید المسلمین وامام المتقین" کی سند سے صرف نظر کر کے متن پر ہی نگاہ مرکوز رکھیے، تو اس حدیث کو اہل سنت کے اجماع، آیات قرآنیہ اور احادیث مشہورہ کی بظاہر معارض ہونے کی وجہ سے، اس میں تاویل کرنا ہوگی، ورنہ متروک قرار دینا ہوگا؛ کیوں کہ ہم فائدہ نمبر ۴ کے تحت یہ مسلمہ اصول بیان کر چکے ہیں کہ قطعی کا مقابلہ ظنی اور قوی کا مقابلہ ضعیف سے ہو تو پہلے ظنی یا ضعیف میں تاویل کر کے اسے قطعی اور قوی کے موافق کیا جاتا ہے جیسے قرآن کریم کے مقابلہ میں خبر واحد آجائے تو اس میں تاویل کر کے مطابقت پیدا کی جاتی ہے۔ چناں چہ ہمارے علماے اصول نے اسی قاعدہ سے نماز کے اندر مطلق قراءت کو آیت

کریمہ "فاقرؤوا ما تیسر من القرآن" (المزمل ۲۰:) کی روشنی میں فرض قرار دیا ہے اور بظاہر اس کی معارض خبر واحد "لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب" میں تاویل کر کے دونوں میں مطابقت پیدا کی ہے اور امام و منفرد کے حق میں واجب قرار دیا ہے، جب کہ مقتدی کے حق میں براہ راست واجب تو کیا مانتے، جائز بھی نہیں مانا ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ "وامھاتکم اللاتی ارضعنکم" (النساء ۲۳ :) کے مطابق ایک گھونٹ بھی دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے بالمقابل خبر واحد "لا تحرم المصۃ والمصتان" کا تقاضا یہ ہے کہ دو گھونٹ تک پی لینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ اب یہاں چوں کہ تطبیق کی صورت نہیں ہے تو لا محالہ اسے متروک العمل قرار دیا ہے۔

مسئلہ مبحوث عنہا میں یہ روایت جس کے ایک راوی الحسن بن الحسین، ناقدین حدیث کے مطابق شیعہ ہی نہیں، شیعوں کے سردار ہیں، جو ہماری نقل کردہ مشہور احادیث، آیات قرآنیہ اور اجماع اہل سنت کے بظاہر خلاف ہے ۔جن میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ حضور نے یہ بات بطور پیشین گوئی فرمائی ہو۔ یعنی مولا علی کے لیے اپنے وقت کے "سید المسلمین" اور "امام المتقین" ہونے کی بشارت دی ہو۔ اور تطبیق نہ مانی جائے تو جس طرح رضاعت کے مسئلے میں "لا تحرم المصۃ والمصتان" ساقط ہے اسی طرح یہ بھی ساقط ہوگی۔

●●●

اعتراض (۲)

اگر مسئلہ افضلیت اجماعی ہوتا تو قطعی ہوتا حالاں کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی تکمیل الایمان ص ۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

قاضی ابو بکر باقلانی میگوید کہ ظنی است ومختار امام الحرمین در "ارشاد" نیز ہمیں ست وصاحب مفہم در شرح مسلم جزم بظنیت آں کردہ۔

ترجمہ: قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ ظنی ہے اور "ارشاد" میں امام الحرمین کا مختار یہی ہے۔ اور صاحب مفہم نے مسلم کی شرح میں اسی بات پر جزم کیا ہے۔ (زبدہ ص ۲۲۵)

جواب:

کفایۃ الطالب الربانی از فقیہ ابوالحسن علی بن محمد مصری (پ ۸۵۷ھ) میں ہے:

الخيرية المذكورة اما باعتبار الباطن و كثرة الثواب ورفع الدرجات، وذلك لا يعلم الا بخبر مقطوع به۔ واما باعتبار الظاهر ولا يحصل ذلك الا بالتفاوت فى خصال الفضائل۔ فمن كثرت فيه فهو افضل فى الظاهر دون الباطن، فكم من قليل العمل افضل من كثيره۔

(و) مما يجب اعتقاده قطعا او ظنا أن افضل هذه الامة صحابة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم۔

و(أفضل الصحابة) اهل الحديبية۔ وافضلهم اهل بدر، و افضلهم العشرة، و افضلهم۔(الخلفاء) الاربعة۔ و الخلفاء الاربعة متفاوتون فى الفضيلة، فافضلهم (ابو بكر) الصديق رضى الله تعالىٰ عنه۔ (ثم) يليه فى الفضيلة (عمر) بن الخطاب رضى الله عنه الخ۔

ترجمہ: (افضلیت یا تو ظاہر کے ساتھ) باطن یعنی کثرت ثواب اور درجات کی بلندی کے اعتبار سے ہوگی جس کا علم خبر قطعی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

یا صرف ظاہر کے اعتبار سے ہوگی جو خصائل فضائل میں تفاوت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس صورت میں جن کے اندر زیادہ فضیلت ہوگی وہ ظاہراً افضل ہوں گے باطناً نہیں؛ کیوں کہ بہت سے تھوڑے عمل والے زیادہ عمل والوں سے افضل ہوتے ہیں۔

قطعی کہئے یا ظنی بہر طور یہ عقیدہ رکھنا تو لازم ہے کہ اس امت میں سب سے بہتر، رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ اور صحابہ میں سب سے بہتر اصحاب حدیبیہ ہیں۔ ان میں سب سے بہتر اہل بدر ہیں۔ اور اہل بدر میں سب سے افضل عشرہ مبشرہ ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں افضل خلفاے اربعہ ہیں۔ پھر

چوں کہ خلفائے اربعہ کی فضیلتیں متفاوت ہیں تو ان میں بھی سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب الربانی ج۱: ص۱۴۷ : میں ہے:

قوله :(اما باعتبار الباطن) ای :والظاهر۔قوله :
و كثرة الثواب الخ) تفسير لقوله:باعتبار الباطن۔

قوله :(وذلك)ای :ما ذكر من كثرة الثواب الخ۔

قوله:(الا بخبر مقطوع به) ای :بقول وارد عن الرسول تحقق وروده عنه بالتواتر؛ لان القطع لا يكون الا به، و ارتضى اللقانی هذا الطرف وهو ان الافضلية باعتبار كثرة الثواب۔ و حاصل كلامه ان الافضلية بهذا الاعتبار و ان ذلك لا يتوقف على خبر مقطوع به كما قال شارحنا، بل يعلم من كونهم آووا و نصروا و جاهدوا وصبروا وتصدقوا باموالهم على فاقة وباعوا النفوس فی صحبته۔

قوله:(اما باعتبار الظاهر الخ) حاصل ذلك الاحتمال انه لا تثبت الافضلية لكل فرد من افراد القرن على من بعده، بل من كانت خصاله اكثر افضل ممن ليس كذلك،وحينئذ فمن كانت خصاله من الذی بعده اكثر افضل من الذی خصاله اقل من الذی قبله۔ فقوله :

فلا يحصل الخ ای واذا كان باعتبار الظاهر فلا يحصل ذلك ای ما ذكر من ان الخيرية باعتبار الظاهر۔ و حاصله ان الشارح متردد فی الخيرية ، و قد علمت ان اللقانی اعتبر الاول ، فليعول عليه۔ و يويد ذلك ان معنى الحديث المشهور " لو انفق احدكم مثل احد ذهبا ما بلغ ثوابه فی ذلك ثواب نفقة احد اصحابی مدا، ولا نصفه"۔

قوله :(فكم) الفاء للتعليل ای :تعليل كون الافضلية فی الظاهر دون الباطن۔

قوله :(قطعا او ظنا) ويترتب على كونه قطعيا ان التفضيل فی الباطن والظاهر، وعلى كونه ظنيا انه فی الظاهر فقط كما يفيده اللقانی، وحينئذ فتكون "او" ههنا للتردد كالاول، و يترجح الاول و هو القطع لما علمت من ان اللقانی رجح الباطن، واما التفضيل بين الخلفاء الاربعة وكذا بينهم وبين من بعدهم من الحديبية واهل بدر وغيرهم ، فوقع الخلاف كما افاده اللقانی، فقيل :قطعی وهو الحق وقيل :ظنی وهل هو فی الظاهر و الباطن؟ و هو الحق، او فی الظاهر فقط كما افاده اللقانی۔

ترجمہ: باعتبار باطن کا مطلب ظاہر کے ساتھ باطن ہے۔

ذالك۔ (اسم اشارہ) سے مراد کثرت ثواب ہے۔خبر مقطوع
بہ سے مراد حدیث متواتر ہے(جو قطعی بالمعنی الاخص کا افادہ کرتی
ہے) لقانی کا پسندیدہ مذہب یہی ہے کہ افضلیت کثرت
ثواب (یعنی باطن) کے اعتبار سے ہے ۔جس کا خلاصہ یہ
ہے کہ افضلیت اسی اعتبار سے ہوتی ہے اور اِس کا علم، بذریعہ
خبر متواتر ہونے پر موقوف نہیں جیسا کہ ہمارے شارح
(ابوالحسن) نے فرمایا۔ بلکہ ان کی نصرت وحمایت، جہاد فی
سبیل اللہ، فقر وفاقہ کے باوجود تصدق بالاموال اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی محبت وصحبت میں اپنی جانوں کی قربانیوں سے معلوم
ہوگا۔

شارح کا قول: (اما باعتبار الظاھر) ظاہر کے اعتبار سے
فضیلت مانی جائے تو قرن واحد کے بعض افراد کو اپنے بعد
کے کسی فرد پر فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ ان میں جس کے
اندر زیادہ خوبیاں ہوں گی وہ کم خوبیوں والے سے افضل
ہوگا۔لہذا شارح کے قول کے معنی یہ ہوں گے کہ افضلیت
اگر ظاہر کے اعتبار سے ہو تو وہ ظاہری افضلیت خصائل محمودہ
اورنعم متعدیہ کے درمیان کمی بیشی کے بعد ہی حاصل ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ شارح کتاب کو افضلیت میں تردد ہے اور آپ
نے دیکھا کہ لقانی نے اول یعنی کثرت ثواب ورفع درجات کا
اعتبار کیا ہے، لہذا وہی مراد ہوگا اس کی تائید اس حدیث مشہور

سے ہوتی ہے کہ غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے
تب بھی اس کا ثواب میرے کسی صحابی کے ایک یا آدھا مد خرچ
کرنے کے ثواب کے برابر نہیں ہوگا۔

شارح کے قول :"فکم" میں لفظ "فا" (تو) تعلیل کے لیے
ہے یعنی یہ صرف ظاہر میں افضل ہونے کی علت ہے باطن
میں افضل ہونے کی علت نہیں۔

شارح کے قول :(قطعا او ظنا) میں "قطعا" ظاہر و باطن
دونوں میں فضیلت کے قطعی ہونے پر مرتب ہے۔ اور "ظنا
" صرف ظاہر کے ظنی فضیلت ہونے پر مرتب ہے۔ جیسا کہ
لقانی نے افادہ کیا ہے۔اس صورت میں پہلے ہی کی طرح "او"
تردد کے لیے ہوگا اور قطعی ہونا راجح ہوگا؛ کیوں کہ آپ جان
چکے کہ لقانی نے باطن کو ترجیح دی ہے۔رہی حدیبیہ اور اہل بدر
وغیرہ سے خلفاے اربعہ اور ان کے درمیان افضلیت کی بات!
تو اس میں اختلاف ہے۔جیسا کہ لقانی نے افادہ کیا ہے اور
یہی حق ہے، اور کہا گیا ہے کہ ظنی ہے۔تو کیا اب وہ ظاہر
وباطن دونوں کے اعتبار سے ہے؟ جو حق ہے۔ یا صرف ظاہر
کے اعتبار سے ہے؟ جیسا کہ لقانی نے افادہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں ہم فائدہ نمبر ۴ کے تحت لکھ آئے ہیں کہ قطعی کی تین قسمیں ہیں۔
پہلی قسم جو بالکلیہ ظنی کی مغائر ہے، اس قطعی کی نفی سے ضروریات دین، جن کے
انکار سے آدمی اسلام سے نکل جاتا ہے، اس کے اندر جو قطعیت ہوتی ہے اسی

قطعیت کی نفی ہوتی ہے۔ضروریات اہل سنت جن کے انکار سے آدمی اسلام سے
نہیں نکلتا البتّہ سنّیت سے خارج ہوجاتا ہے،اس کے اندر جوقطعیت ہوتی ہے
،اس قطعیت کی نفی نہیں ہوتی ہے ۔ اورہم دیکھتے ہیں کہ خود زبدۃ التحقیق
میں بار بار یہی کہا گیا ہے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے نہیں ہے۔

توجن حضرات نے قطعی کہا ہے انہوں نے اسی دوسرے معنی میں قطعی کہا
ہے۔یعنی کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت پر حضرت صدیق
اکبر کی افضلیت مطلقہ سے انکار کرے تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا،مگر سُنّیت
سے ضرور خارج قرار پائے گا۔

رہاامام باقلانی کا ظنی فرمانا! توہم فائدہ نمبر ۴ میں واضح کر چکے ہیں کہ ظنی
بالمعنی الاخص ،قطعی بالمعنی الاعم کی مغائر نہیں، بلکہ دونوں متحد المصداق ہیں۔اس
لیے حضرت صدیق اکبر کی افضلیت مطلقہ کو قطعی بالمعنی الاعم بھی کہا جاسکتا ہے
اور ظنی بالمعنی الاخص بھی۔

فواتح الرموت ج ۲ ص ۱۹ میں ہے:

وماوقع من عبارات بعض المشائخ رحمهم الله تعالى :
ان النص والظاهر ظنيان في الدلالة والمفسر و
المحكم قطعيان فمرادهم الظن بالمعنى الاعم والقطع
بالمعنى الاخص .

ترجمہ: بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کی عبارتوں میں جو یہ ہے
کہ : ظاہر اور نص ظنی الدلالت ہیں اور مفسر ومحکم قطعی الدلالت
،تو ظنی سے ان کی مراد ظنی بالمعنی الاعم ،اور قطعی سے، قطعی بالمعنی

الاخص ہے۔

علاوہ ازیں قطعی وظنی دونوں کلی مشکک ہیں حضرت صدیق اکبر کی افضلیت
مطلقہ کی قطعیت بالمعنی الاعم، حضرت عمر فاروق کی افضلیت مطلقہ کی قطعیت سے
قوی ہے اور حضرت عمر فاروق کی افضلیت مطلقہ کی ظنیت ،حضرت صدیق اکبر کی
افضلیت مطلقہ کی ظنیت بالمعنی الاخص سے ضعیف ۔اس لیے بعض حضرات نے
حضرت صدیق اکبر کی افضلیت کو قطعی سے تعبیر کیا ہے اور حضرت فاروق اعظم کی
افضلیت کو ظنی سے ۔جیسا کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواھر
میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے حوالے سے اس کی صراحت فرمائی ہے، وہ
ص ۴۴۲ : پر لکھتے ہیں:

كان الشيخ محي الدين رضي الله عنه يقول:تقديم ابي
بكر في الفضل على عمر قطعي و تقديم عمر على غيره
ظني.

ترجمہ: حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے تھے کہ فضیلت
میں حضرت عمر پر حضرت ابوبکر صدیق کی تقدیم تو قطعی ہے، البتہ
دوسرے تمام صحابہ پر حضرت عمر کی تقدیم ظنی ہے۔

اور اپنی اپنی مراد کے اعتبار سے دونوں ہی تعبیریں درست ہیں۔

●●●

اعتراض (۳)

اگر مسئلہ افضلیت اجماعی وقطعی ہوتا تو علامہ ابن عبد البر کیسے یہ فرماتے کہ:

لم یات انه من وجه صحیح تجد الحجة بمثله، انه قال : فلان افضل من فلان اذا کانا من اهل السوابق و الفضائل وذلك من ادبه ومحاسن اخلاقه لئلا یومی للمفضول بغیبته ویحطه فی نفسه فیخرجه ویخزیه ولم یکن ذلك ایضا من دینه۔

ترجمہ : کسی بھی طریقہ صحیحہ سے ہم تک یہ بات نہیں پہنچی جس سے حجت شرعیہ ثابت ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : فلاں فلاں سے افضل ہے جب کہ وہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے اور اصحاب فضائل میں سے تھے اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن آداب اور فضائل اخلاق میں سے تھی تاکہ مفضول کی غیر حاضری میں اس کی طرف (تنقیدی) اشارے نہ کیے جائیں اور وہ اپنے آپ کو خود ہی نہ گرا دیں اور (اس طرح اس کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (اپنی صفوں سے) نکال نہ دیں اور رسوا نہ کر دیں اور یہ بات بھی آپ کے دین کا حصہ نہیں تھی۔

پھر چند سطروں کے بعد ہے :

لما لم یفعل، علمنا عن قول القائل : فلان افضل من فلان باطل ولیس بدین وشریعة۔

ترجمہ : چوں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا ("یعنی فلاں فلاں سے افضل ہے" نہیں فرمایا) تو ہمیں پتا چل گیا کہ یہ کہنے والے کا "فلاں فلاں سے افضل ہے" قول، قولِ باطل ہے، نہ یہ دین ہے اور نہ یہ شریعت۔ (زبدۃ التحقیق ص ۱۸۲)

جواب:

اگر یہ بات درست ہو کہ "کسی بھی طریقہ صحیحہ سے ہم تک یہ بات نہیں پہنچی جس سے حجت شرعیہ قائم ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : فلاں فلاں سے افضل ہے۔ اس لیے یہ کہنا باطل اور دین وشریعت کے خلاف ہے"___ تو "زبدہ" ہی کے مطابق حضرت صدیق اکبر کی افضلیت کا مسلک، اہل سنت کے جمہور کا مسلک کیسے ہے، جسے خود "زبدہ" نے اپنایا ہے؟

کیا "زبدہ" میں اس مسلک کو اپنایا گیا ہے جو نہ دین ہے نہ شریعت بلکہ باطل ہے اور جو کسی بھی صحیح طریقے سے ثابت نہیں؟

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ علامہ ابن عبد البر نے یہ بات ان حضرات کے تعلق سے کہی ہے جن کے بارے میں صرف فضائل بیان ہوئے ہیں، افضلیت نہیں اور اگر کہیں افضلیت بھی بیان ہوئی ہے تو وہ جزئی افضلیت ہے، نہ کہ افضلیت مطلقہ۔ اور یہ بلاشبہہ صحیح ہے۔

صواعق محرقہ ص ۱۷۹ میں:

اعلم ان الذی اطبق علیہ عظماء الملۃ وعلماء المۃ ان افضل ھٰذہ الامۃ ابوبکر الصدیق ثم عمر۔ ثم اختلفوا فالاکثرون و منھم الشافعی و احمد و ھوالمشھور عن مالک ان الافضل بعدھما عثمان ثم علی رضی اللہ عنھم و جزم الکوفیون و منھم السفیان الثوری بتفضیل علی علی عثمان۔ و قیل بالتوقف عن التفاضل بینھما و ھو روایۃ عن مالک فقد حکی الماذری عن المدونۃ ان مالکارحمہ اللہ سئل ای الناس افضل بعد نبیھم فقال ابوبکر ثم عمر ثم قال اوفی ذالک شک ؟ فقیل لہ :علی وعثمان؟ فقال :ما ادرکتُ احدا ممن اقتدی بہ یفضل احدھما علی الآخر۔

ترجمہ: علمائے ملت اور عظمائے امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے افضل ترین شخص ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد اختلاف ہے کہ کون افضل ہیں؟ اکثر علما جن میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک بھی ہیں، ان حضرات کے تعلق سے مشہور ہے کہ ان کے نزدیک حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان، ان کے بعد حضرت علی افضل ہیں۔ ہاں! اہل کوفہ جن میں سفیان ثوری بھی شامل ہیں، یہ

حضرات، حضرت علی کو حضرت عثمان سے افضل مانتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ان دونوں حضرات کی ایک دوسرے پر تفضیل سے سکوت کرنا چاہئے۔ اسی طرح کی ایک روایت امام مالک سے بھی مروی ہے جس کو حضرت عبداللہ نے ”مدونہ“ سے نقل کیا ہے کہ آپ سے سوال ہوا کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ابوبکر پھر عمر! پھر ارشاد فرمایا : کیا اس میں بھی کوئی شک ہے؟ اس کے بعد آپ سے سوال کیا گیا کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے متعلق کیا ارشاد ہے؟ تو فرمایا : میرے علم میں ایسا آدمی جن کی اقتدا کی جائے کوئی نہیں جو ان دونوں میں کسی کو کسی پر فضیلت دیتا ہو۔

اور حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ تکمیل الایمان ص ۱۵۴ میں فرماتے ہیں:

امام تاج الدین سبکی کہ از اعاظم علمائے صوفیہ است ”در طبقات کبری“ از بعضے متاخرین نقل کردہ است کہ ایشاں تفضیل ختنین می کنند از جہت زوجیت بابضعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ و شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب ”خصائص“ از امام علیم الدین عراقی نقل کردہ است کہ فاطمہ و برادروے ابراہیم باتفاق افضل اند از خلفائے اربعہ۔

وازامام مالک آوردہ اند کہ گفت :مانفضل علی بضعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم''فرمودہ :من ہیچ یکے رابرآں کہ جگر پارۂ رسول ہست تفضیل ندہیم ۔ایں تفضیل نسبت بدیگر اں است۔وبایشاں می گویند ایں ہمہ روایات ضرربہ مقصود ندارند و منافی مدعاے مانیست۔ مدعاے ماایں جاچنانچہ تحریر کردہ آمد:اثبات فضیلت بوجہے خاص است، وآں مفضولیت بوجہے دیگرمنافات ندارد۔ و ایں فضائل کہ ذکر کردہ شدہ راجع بہ کثرت ثواب ونفع اہل اسلام نیست۔ بلکہ بہ مزید شرف ونسب وکرامت جوہر ذات است۔

ترجمہ:امام تاج الدین سبکی جو بڑے صوفی عالم ہیں انہوں نے ''طبقات کبری''میں بعض متاخرین سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کی وجہ سے حضرت عثمان اور حضرت علی کو افضل مانتے تھے۔شیخ جلال الدین سیوطی نے ''خصائص'' میں امام علیم الدین عراقی سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت فاطمہ اوران کے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہما بالاتفاق خلفاے اربعہ سے افضل ہیں۔

امام مالک سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم کسی کو بھی جگر پارۂ رسول پر فضیلت نہیں دیتے ہیں۔ یہ اوراس طرح کی روایتیں مقصود کے خلاف اورہمارے مدعا(صدیق اکبر کی افضلیت مطلقہ) کی منافی نہیں ہیں۔ہمارا مدعا تو یہ ہے کہ

صدیق اکبر کی افضلیت خاص قسم (مطلق) کی ہے اور مفضولیت دوسری قسم (جزئیت) کی ہے اوران میں منافات نہیں۔حضرت فاطمہ، ان کے بھائی ابراہیم اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے فضائل کثرت ثواب اور نفع اہل اسلام سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ زیادتی نسب اور کرامت جوہر ذات سے متعلق ہیں۔

●●●

اعتراض (۴):

حضرت صدیق اکبر کی افضلیت کا مسئلہ تو ضروریات دین سے ہے نہیں، کیوں کہ ضروریات دین میں سے ہوتا تو خلاف کرنے والے کی تکفیر ہوتی۔ جب کہ اس میں اختلاف کرنے والے کی تکفیر نہ کیا جانا متفقہ مسئلہ ہے۔ اور محققین کی تحقیق کے مطابق جو چیز ضروریات دین میں سے نہ ہو اس میں سکوت سے اجماع منعقد نہیں ہوتا (زبدہ ص ۲۳۳) تو پھر یہ مسئلہ اجماعی کیسے ہو گیا؟

جواب:

بلاشبہہ، اجماع سکوتی کیا؟ ہر اجماع قولی سے بھی ضروریات دین کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔ ضروریات دین کے ثبوت کے لیے اجماع قولی بالمعنی الاخص ضروری ہے جیسا کہ فائدہ نمبر ۲ کے تحت مدلل طور پر بیان ہوا ہے۔

مگر اہل سنت تو حضرت صدیق اکبر کی افضلیت مطلقہ کے مسئلہ کو ضروریات دین سے نہیں، ضروریات اہل سنت میں سے مانتے ہیں۔ اور ضروریات اہل سنت کے ثبوت کے لیے اجماع قولی بالمعنی الاعم ہی کافی ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت سعد بن عبادہ کے شریک نہ ہونے کے باوجود حضرت صدیق اکبر کی خلافت پر اجماع کیسے منعقد ہو جاتا؟ جس کا اعتراف خود ''زبدہ'' میں بار بار کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جن کو ''زبدۃ التحقیق'' میں ''الحجۃ علی

الخلق'' سے ملقب کیا گیا ہے وہ اپنے فتاوی عزیزی ص ۳۲ میں فرماتے ہیں:

> مقررات است کہ خلافت باجماع ثابت می شود مراد آنست کی اجماع اکثر اہل حل وعقد براں متحقق باشد اگر یک دو کس خارج از اجماع شوند پروا نباید کہ للاکثر حکم الکل چناں چہ سعد بن عبادہ در وقت انعقاد خلافت حضرت ابوبکر صدیق داخل در اجماع نہ شد و ابان بن عثمان از مجتہدین صحابہ نبود تا خلاف او مضر باشد الخ۔

ترجمہ: یہ بات مسلم ہے کہ ''خلافت اجماع سے ثابت ہوتی ہے''، مگر اس میں اجماع سے مراد اکثرِ اہل حل وعقد کا اجماع ہے۔ معدود چند افراد کی عدم شمولیت انعقاد اجماع میں خلل انداز نہیں ہوتا؛ کیوں کہ قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت منعقد ہوتے وقت سعد بن عبادہ اجماع میں داخل نہیں ہوئے اور ابان بن عثمان مجتہدین صحابہ سے نہیں تھے کہ ان کے خلاف کرنے سے اجماع میں خلل ہوتا۔

●●●

اعتراض (۵):

ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶) نے اپنی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج ۴ ص ۱۲۰ میں لکھا ہے :

فلوقال قائل ایماافضل فی الجنة واعلی قدرا ،مکان ابراھیم بن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم اومکان ابی بکروعمر وعثمان وعلی رضی الله عنهم؟
قلنا :مکان ابراھیم بلاشك.

ترجمہ: اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جنت میں کون افضل ہوگا اور کس کی قدر اعلی ہوگی، جناب ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کا مکان اعلی ہوگا یا مکان ابوبکر صدیق یا مکان عمر یا مکان عثمان غنی یا مکان علی مرتضی رضی اللہ عنہم؟ ہم کہیں گے مکان ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ سب سے اعلی ہوگا۔ (زبدہ ص ۲۴۵)

جنت میں سب سے اعلی مکان ملنے کے معنی یہ ہیں کہ سب سے زیادہ ثواب ملا ہو۔ اور یہی باطنی فضیلت ہے تو حضرت صدیق اکبر کی افضلیت پر اجماع کہاں ہوا؟

جواب:

پہلی بات یہ ہے کہ ابن حزم نے اس بات پر کوئی حدیث نقل نہیں کی

ہے۔ محض اپنے قیاس وگمان سے کہی ہے۔ جب کہ افضلیت کا مسئلہ بالاتفاق قیاس وگمان کا نہیں بلکہ وحی الٰہی کا مسئلہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے ابن حزم کے تعلق سے خود اس کے شاگرد ابن تیمیہ، جسے اہل سنت نے اس کے آخری دور کی تحریروں اور اقوال کی وجہ سے بدمذہب وگمراہ قرار دیا ہے، اس نے بھی یہ لکھا ہے کہ تفضیل صحابہ کے مسئلہ میں ابن حزم کا مسلک سب سے الگ تھلگ تھا، چنانچہ ابن تیمیہ کی کتاب نقض المنطق ص ۱۷ کے حوالے سے محمد عبد اللہ ابو صعیلیک نے اپنی کتاب الامام ابن حزم الظاھری کے ص ۱۳۱ میں لکھا ہے :

ابومحمدبن حزم فیماصنفه من الملل والنحل ...انفرد به من قوله بالتفضیل بین الصحابة.

ترجمہ: ابومحمد ابن حزم نے اپنی تصنیف "الملل والنحل" میں مسئلہ افضلیت کے تعلق سے سب سے جدا بات لکھی ہے۔

پھر، ابن حزم تو خود بھی گمراہ وگمراہ گر ظاہری المذہب تھا جو یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ معاذ اللہ! اللہ تعالی اپنی اولاد پیدا کرسکتا ہے۔ اس نے اپنی اسی کتاب الفصل فی الملل ج ۲ ص ۲۳۸ میں لکھا ہے:

سئل :ھل الله تعالی قادر علی ان یتخذ ولدا؟ فالجواب: الله تعالیٰ قادر علی ذلك.

ترجمہ: کوئی سوال کرے کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنی اولاد پیدا کرسکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہاں! اللہ تعالی اس پر قادر ہے۔

اور اجماع اہل سنت میں کسی بدمذہب کے اختلاف کرنے سے اجماع کے

انعقاد میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے ، جیسے باجماع اہل سنت خلافت شرعی کے انعقاد کے لیے قریشی ہونا شرط ہے اور خوارج و معتزلہ اس کو شرط قرار نہیں دیتے ہیں مگر اس کے باوجود یہ اجماع قطعی ہے۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۱۱ میں ہے :

ویکون من قریش ولا یجوز من غیرھم۔ یعنی یشترط ان یکون الامام قریشیا،لقوله علیه الصلاة والسلام :الائمة من قریش۔ وھٰذا وان کان خبرا واحدا لکن لما رواہ ابوبکر محتجا به علی الانصار ولم ینکرہ احد فصار مجمعا علیه۔ولم یخالف فیه الا الخوارج وبعض المعتزلة۔

ترجمہ : خلافت شرعی قریش ہی میں ہوگی، غیر قریش میں درست نہیں۔ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :امام و خلیفہ قریشی ہی ہوگا۔ یہ حدیث اگر چہ اصل کے اعتبار سے خبر واحد ہے لیکن جب حضرت ابوبکر نے اسے انصار کے سامنے ان کے خلاف بطور دلیل پیش کی اور کسی نے انکار نہیں کیا تو اسی پر اجماع ہو گیا۔ جس میں صرف خوارج اور بعض معتزلہ کا اختلاف ہے۔

مسائرہ مع المسامرہ ص ۲۳۹ میں ہے :

شرط الامام نسب قریش خلافا لکثیر من المعتزلة۔

ترجمہ : بہت سے معتزلہ کا اختلاف کے باوجود اہل سنت کے

نزدیک امامت کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔

مواقف مع شرح المواقف ج ۸ ص ۳۵۰ میں ہے :

یکون قرشیا ومنعه الخوارج وبعض المعتزلة۔ لنا قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :الائمة من قریش ۔ثم ان الصحابة عملوا بمضمون ھٰذا الحدیث واجمعوا علیه فصار قاطعا۔

ترجمہ : خلیفہ قریشی ہی ہوگا اگر چہ خوارج اور بعض معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خلیفہ قریشی ہی ہوگا۔ پھر صحابہ نے اس حدیث کے مضمون پر عمل کیا اور اجماع کر لیا تو یہ دلیل قطعی ہوگئی۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۶، ص ۳۶ میں ہے :

الصحابة اتفقوا علی افادة المفهوم للحصر خلافا لمن انکر ذلك، والی ھذا ذھب جمهور اھل العلم ان شرط الامام ان یکون قرشیا وقالت الخوارج وطائفة من المعتزلة :یجوز ان یکون الامام غیر قرشی وبالغ ضرار ابن عمر فقال :تولیة غیر القرشی اولی۔ وقال ابو بکر الطیب :لم یعرج المسلمون علی ھذا القول بعد ثبوت حدیث :"الائمة من قریش"، وعمل المسلمون به قرنا بعد قرن وانعقد الاجماع علی اعتبار ذلك قبل ان

يقع الاختلاف۔

ترجمہ: منکرین کے برخلاف صحابہ نے اس حدیث کے مفہوم میں حصر ہونے پر اتفاق کرلیا اور جمہور اہل علم نے اسی کو اپنا موقف قرار دے دیا کہ امام کے لیے قریشی ہونا شرط ہے ۔خوارج اور معتزلہ کی ایک جماعت نے کہا کہ غیر قریشی کا بھی خلیفۃ ہونا جائز ہے ۔ضرار بن عمر تو بڑھ کر یہاں تک کہہ گیا کہ غیر قریشی کو ہی امام بنانا بہتر ہے۔ ابوطیب نے فرمایا: حدیث پاک الائمۃ من قریش کے ثابت ہوجانے کے بعد مسلمانوں نے اس قول کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور قرناً بعد قرنٍ اسی حدیث پر عمل کیا تو اختلاف سے پہلے ہی اجماع منعقد ہو گیا۔

شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے :

ولا اعتداد بقول النظام ومن وافقه من الخوارج و اهل البدع انه يجوز كونه من غير قريشي؛ لما هو عليه من مخالفة اجماع المسلمين.

ترجمہ: نظام معتزلی اور اس کی موافقت کرنے والے خوارج واہل بدعت کی اس بات کا کوئی اعتبار نہیں کہ غیر قریشی بھی خلیفۃ ہوسکتا ہے، کیوں کہ یہ سُنّی مسلمانوں کے اجماع کے برخلاف ہے۔

بدمذہب تو بدمذہب ہی ہیں، غیر مجتہد سُنّی نہیں، مجتہد سنّی بھی اجتہاد سے

نہیں، کسی اور وجہ سے اختلاف کرے تو بھی اجماع منعقد ہوجاتا ہے اور اس کی قطعیت بالمعنی الاعم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت صدیق اکبر کی خلافت سے متعلق حضرت سعد بن عبادہ کی بیعت کے بارے میں اگرچہ یہ آیا ہے کہ انھوں نے بیعت نہیں کی تھی، لیکن ان کا بیعت نہ کرنا حُبِّ سیادت کی وجہ سے تھا ۔مگر اس کے باجود حضرت صدیق اکبر کی خلافت پر اجماع ہے اور یہ اجماع قطعی بالمعنی الاعم ہے، جس کا کھلا اعتراف ''زبدۃ التحقیق ص ۲۱۰'' میں بھی کیا گیا ہے۔

بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی نے ''شرح فقہ اکبر'' میں حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے تعلق سے حضرت سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے :

باقی ماند کہ سعد بن عبادہ از بیعت (ابوبکر) متخلف ماند۔ مامی گوئیم کہ سعد بن عبادہ امارت خود می خواست وایں مخالف نص ست چہ، حضرت ﷺ فرمودہ اند :الائمۃ من قریش۔ ائمہ از قریش اند۔ پس مخالفت او در اجماع قدح نہ دارد۔

ترجمہ :باقی رہا یہ کہ سعد بن عبادہ نے صدیق اکبر کی بیعت نہیں کی! تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے لیے خلافت کی خواہش رکھتے تھے جو نص کے خلاف تھی، کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ائمہ قریشی ہی ہوں گے، لہٰذا سعد بن عبادہ کی مخالفت اجماع پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

تنبیہ:

یہاں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

کا مسئلہ اجماعی وقطعی بالمعنی الاعم اور ضروریات اہل سنت سے ہے جس کا منکر گمراہ ہوتا ہے۔ تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے لیے کیا حکم ہوگا، جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی؟ اس لیے کہ اجماع قطعی بالمعنی الاعم منعقد ہوجانے کے بعد جو اس کا انکار کرے، وہ بلاشبہہ گمراہ و بے دین ہے۔ مگر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اجماع منعقد ہوجانے کے بعد انکار نہیں فرمایا تھا، بلکہ منعقد ہونے سے پہلے ہی مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے تھے۔

اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۴ میں ہے:

لما توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم طمع (سعد بن العبادۃ) فی الخلافۃ، وجلس فی سقیفۃ بنی ساعدۃ لیبایع لنفسہ، فجاء الیہ ابوبکر و عمر فبایع الناس ابابکر وعدلوا عن سعد، فلم یبایع سعد ابابکر ولا عمر وسار الی الشام، فاقام بہ بحوران الی ان مات۔

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت سعد بن عبادہ اپنے لیے خلافت کا خواہاں ہوئے اور اپنی بیعت لینے کے لیے بنی ساعدہ کے سقیفہ (پنچایت خانہ) میں آ کر بیٹھ گئے۔ جب حضرت ابوبکر و عمر بھی آگئے تو لوگوں نے حضرت عبادہ کی خواہش کے برخلاف حضرت ابوبکر کی بیعت کرنی شروع کردی۔ اس پر حضرت عبادہ بیعت کیے بغیر شام کے قصبہ ''حوران'' چلے گئے۔ آپ کی وفات وہیں ہوئی۔

اور اجماع کے وقت جو موجود نہ ہو، اس پر انکار اجماع کا الزام نہیں ہوتا ہے۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۲۲۴ مطبوعہ، مکتبۃ التراث الاسلامیۃ، ملتان، پاکستان میں فرمایا ہے:

لم یبایع السعد، لما کان لہ حب السیادۃ واذا لم تکن مخالفتہ عن الاجتہاد فلا یضر الاجماع۔

ترجمہ: حضرت سعد نے اجتہاد سے نہیں، سرداری کی خواہش میں بیعت نہیں کی اس لیے ان کی مخالفت سے انعقاد اجماع میں خلل نہیں پڑا۔

فتاوی عزیزیہ ص ۱۰۲ میں ہے:

دریں جا قاعدۂ کلیہ ملحوظ نظر باید فرمود کہ در وقت اجماع واتفاق اہل حل وعقد برامرے از امور شرعیہ دلائل و مآخذ آں امر از طرق شتی

ومسالک متعددہ برقلوب اہل عصر وارد می شود وبہیئت مجموعیہ موجب تیقن وظن غالب بحکم آں امر می شود۔ اگر از دیگراں کہ درآں وقت حاضر نبودہ اند ہر ہر ماخذ ودلیل را فرادی فرادی نظر کنند نزد ایشاں موجب غلبۂ ظن یا تیقن نمی شود۔ لیکن درحق ایشاں اجماع منعقد درزمان سابق در دلیل بودن کفایت می کند۔ ازیں قاعدہ مسائل بسیارے برآید۔ واگر اہل زمان متاخر خواہند کہ سوائے اجماع دلیلے دیگر دراں مسائل پیدا کنند متحیر می شوند وہرگز ایشاں را برو یقین میسر نمی شود؛ زیرا کہ دلائل وماخذ اجماعیہ درذہن ایشاں فراہم نمی آیند وترتیب زمانی سنوخ

آں دلائل و ماخذ و قرائن را نمی تواند شناخت۔

ترجمہ: یہ قاعدہ کلیہ ملحوظ نظر رکھنا چاہیے کہ کسی امر شرعی پر اہل حل وعقد کے اتفاق واجماع کے وقت اس مسئلہ کے دلائل وماٰخذ مختلف طریقوں اور متعدد انداز سے اہل عصر کے قلوب پر وارد ہوتے ہیں اور مجموعی ہیئت سے اس مسئلہ کے تیقن وظن غالب کا موجب بن جاتے ہیں۔ اگر دوسرے حضرات جو اس وقت حاضر نہ رہے ہوں، ہر ہر ماٰخذ ودلیل پر جدا جدا نگاہ ڈالیں تو ان کے نزدیک غلبۂ ظن یا تیقن نہیں ہوگا لیکن ان کے حق میں سابق میں منعقد شدہ اجماع دلیل کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یہ وہ قاعدہ ہے جس سے بہت سے مسائل برآمد ہوتے ہیں۔ اگر متاخرین چاہیں کہ ان مسائل میں اجماع کے علاوہ دوسری دلیل پیدا کریں تو متحیر رہ جائیں گے۔ انہیں ہرگز یقین میسر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان کے ذہن میں اجماع کے دلائل وماٰخذ ہی فراہم نہیں ہوں گے اور زمانی ترتیب ان کو ان دلائل وماخذ کی اصل اور قرائن کی شناخت نہیں کرا پائے گی۔

مزید برآں اجماع پہلے منعقد ہو چکا ہے اور ابن حزم جو سُنّی تھا نہ مجتہد، اس نے اجماع منعقد ہو جانے کے بعد اختلاف کیا تو خارق اجماع ہوئے نہ کہ ان کے اختلاف سے اجماع ہی مرتفع ہو جائے گا، کما مر۔

●●●

اعتراض (۶):

اجماع تو خلافت کی ترتیب پر ہوا ہے، افضلیت کی ترتیب پر نہیں۔ خود افضلیت کے قائلین اس پر اجماع نہیں بتاتے ہیں بلکہ خلافت کی ترتیب پر متفرع کرتے ہیں۔

"الاقتصاد فی الاعتقاد" ص ۵۰۵ میں ہے:

(۱) اما الخلفاء الراشدون فهم افضل من غيرهم و ترتيبهم فى الفضل عند اهل السنة كترتيبهم فى الامامة.

ترجمہ: خلفاے راشدین دوسروں سے افضل ہیں اور اہل سنت کے نزدیک ان میں فضیلت کی ترتیب خلافت میں ترتیب کی طرح ہے۔

(۲) ان الخلفاء الراشدين فى ترتيب الافضلية على نسق ترتيب الخلافة"۔

ترجمہ: خلفائے راشدین کی افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

اور خلافت کی ترتیب افضلیت کی ترتیب کو مستلزم نہیں۔ خلافت پر اجماع ہی کو کچھ لوگوں نے فضیلت پر اجماع تسلیم کیا جو کہ محققین کے نزدیک ایک فریہ بلا مریہ ہے، ایک من گھڑت بات ہے۔ پھر خلافت میں تقدم، اہل سنت کے

نزدیک متفقہ طور پر وجہ فضیلت بھی نہیں ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر حضرت مولا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے خلافت میں مقدم ہیں مگر اہل سنت کے نزدیک ان میں افضلیت مختلف فیہ ہے۔ اگر خلافت میں مقدم ہونا افضلیت کے لیے وجہ کافی ہوتی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ پر متفقہ طور پر افضل مانا جانا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں ہوا، جس سے ثابت ہوا کہ خلافت میں تقدم دلیل افضلیت نہیں ہے۔

الیواقیت والجواہر ص ۳۳۲ میں ہے:

بالجملة فلا ینبغی الخوض فی مثل ذالك الامر وجود نص صریح مع اننا قائلون بترتیب هؤلاء الخلفاء الاربعة کما علیه الجمهور۔ و انما خالفناهم فی علة التقدیم فهم یقولون هی الفضل، ونحن نقول: هی تقدم الزمان الخ۔

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ نص صریح کے بغیر ایسے مسائل میں غور وخوض نہیں کرنا چاہئے، باوجود اس بات کے کہ ہم لوگ ان خلفاے اربعہ کی ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ ہم نے صرف ترتیب میں مقدم ہونے کی وجہ میں ان کی مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علت تقدیم، خلافت میں مقدم ہونے کی وجہ افضلیت ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ زمانے میں مقدم ہونا ہے یعنی اس کی وجہ افضلیت نہیں الخ۔ (زبدہ ص ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳)

جواب:

"الاقتصاد" اور اس کے علاوہ جن کتابوں میں اس طرح کی عبارتیں ہیں، ان عبارتوں میں خلافت کی ترتیب پر افضلیت کی ترتیب کا مدار نہیں بتایا گیا ہے، بلکہ افضلیت کی ترتیب کو خلافت کی ترتیب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس طرح یہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح خلافت میں پہلے نمبر پر حضرت ابوبکر ہیں اسی طرح افضلیت میں بھی پہلے نمبر پر وہی ہیں؛ کیوں کہ افضلیت تو امر باطنی ہے اور خلافت امری ظاہری، جو سب کو معلوم ہے۔ اور تشبیہ کے مشہور قاعدہ کے مطابق کہ مشبہ سے مشبہ بہ کو معروف ومشہور ہونا چاہئے تا کہ قاری وسامع کے ذہن میں مشبہ پر جو حکم لگایا جا رہا ہے، وہ جاگزیں ہو جائے۔ اسی کی طرف اشارہ کے لیے امام نسفی نے "عقائد نسفیہ" میں عبارت بدل کر یوں فرمایا ہے:

وافضل البشر بعد نبینا ابو بکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورین ثم علی المرتضی و خلافتهم علی هذا الترتیب ایضا۔

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر فاروق، پھر عثمان ذوالنورین پھر علی مرتضی ہیں اور اسی ترتیب پر ان کی خلافتیں ہیں۔

نبراس ص ۳۰۳ میں ہے:

(علی هٰذا الترتیب) ای ترتیب الافضلیة۔

[یعنی خلافت کی ترتیب افضلیت کی ترتیب پر ہے]

شرح عقائد للتفتازانی ص ۱۱۹ : میں ہے:

بایعوہ لما کان أفضل أهل عصره وأولاهم بالخلافة۔

[صحابہ نے آپ کی بیعت اس لیے کی کہ آپ اپنے زمانے میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے]

اس پر حاشیہ عصام میں ہے:

قوله :على هٰذا الترتيب ايضاً" يشعر انه بنى ترتيب الخلافة على ترتيب الافضلية۔

ترجمہ: ماتن کا قول: ''خلافت کی ترتیب بھی افضلیت کی ترتیب پر ہے''اس بات کی مشعر ہے کہ خلافت کی ترتیب کی بنا، افضلیت کی ترتیب پر ہے۔

طریقہ محمدیہ کی شرح حدیقۃ ندیہ ج ا ص ۲۹۳ میں ہے:

و افضلهم ابوبكر الصديق ثم عمر ثم عثمان ثم علی و خلافتهم على هٰذا الترتيب۔

ترجمہ: سب سے افضل ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق پھر عثمان غنی پھر علی مرتضی رضی اللہ عنہم ہیں۔اور ان کی خلافت بھی اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

لمعۃ الاعتقاد از علامہ ابن قدامہ مقدسی (م ۶۲۰) ج ا ص ۳۴ میں ہے:

و هو احق خلق الله بالخلافة بعد النبي صلى الله عليه وسلم

لفضله وسابقته ،وتقديم النبي صلى الله عليه وسلم له في الصلاة على جميع الصحابة رضي الله عنهم ۔

ترجمہ : حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلق خدا میں خلافت کے زیادہ حق دار تھے؛ کیوں کہ وہی افضل و سابق تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو تمام صحابہ کی امامت کے لیے آگے بڑھایا تھا۔

الاسالیب البدیعة للعلامہ یوسف بن اسماعیل النبھانی (م ۱۳۵۰ ھ) ج ا ص ۱۵، ۱۶ میں ہے:

ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه و سلم اولا لابي بكر الصديق رضي الله عنه تفضيلا له و تقديما على جميع الامة۔

[حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اول خلیفہ ہونے کی دلیل، ان کا پوری امت سے افضل ہونا ہے]

یعنی خلافت میں ابوبکر صدیق کی تقدیم کے اجماع کی بنیاد پر افضلیت میں ان کی تقدیم پر اجماع کو نہیں مانا گیا ہے، بلکہ ان کی افضلیت میں تقدیم کے اجماع کی بنیاد پر خلافت میں تقدیم پر اجماع ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں افضلیت پر اجماع کی بنیاد وسند تو دراصل وہ ''عظیم شَے'' ہے جو حضرت ابوبکر کے دل میں ودیعت رکھی تھی جس کی وجہ سے مشہور و متواتر معنوی حدیثوں میں ان کو افضل کہا گیا ہے۔ اور خلافت میں تقدیم پر اجماع کی بنیاد و سند ان کی افضلیت ہے؛ کیوں کہ خلافت امر باطنی نہیں، امر ظاہری ہے اور گفتگو افضلیت باطنیہ مطلقہ میں ہے۔ لہٰذا افضلیت، خلافت پر متفرع ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ خلافت ہی افضلیت

پر متفرع ہے۔صحابۂ کرام ابوبکر صدیق کی خلافت پر متفق اسی لیے ہوئے تھے کہ
وہ فرمان رسالت کے مطابق ان کو افضل سمجھتے تھے ان کے سامنے زبان رسالت
کی یہ گواہی موجود تھی کہ:

انه لم يفضلكم بكثرة صلاة ولاصيام ولكن بشيء
وقر في صدره۔

[ابوبکر نماز، روزے کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے بلکہ اس
چیز کی وجہ سے جوان کے سینے میں ودیعت کردی گئی ہے]

لووزن ايمان ابي بكر بايمان امتي لرجح بهم۔

[میری امت اور ابوبکر کے ایمان کو تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان
راجح وغالب ہوگا]

لا ينبغي لقوم فيهم ابوبكر ان يومهم غيره۔

[حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں ابوبکر ہوں، دوسرے
کے لیے سزاوار نہیں کہ ان کی امامت کرے۔]

ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۶۴۱ میں عبد اللہ بن زمعہ سے مروی ہے:

لما استعز برسول الله صلى الله عليه وسلم وانا عنده
في نفر من المسلمين دعاه بلال الى الصلاة فقال: مروا
من يصلي للناس، فخرج عبد الله بن زمعة فاذا عمر في
الناس وكان ابو بكر غائبا فقلت: يا عمر! قم فصل
بالناس، فتقدم فكبر فلما سمع رسول الله صلى الله عليه

وسلم صوته، وكان عمر رجلا مجهرا، قال: فاين ابو
بكر؟ يابى الله ذلك والمسلمون، يابى الله ذلك والمسلون،
فبعث الى ابي بكر فجاء بعد ان صلى عمر تلك الصلاة
فصلى بالناس۔

ترجمہ: سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں
نقاہت طاری ہوگئی تھی، اور میں چند مسلمانوں کے ساتھ حضور کی
بارگاہ میں حاضر تھا، تو حضرت بلال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
سے نماز کے لیے عرض کیا۔آپ نے فرمایا: امامت کے لیے
اسے کہو جو نماز پڑھاتے ہیں۔ چناں چہ حضرت عبد اللہ ابن
زمعہ وہاں سے لوٹے تو حضرت ابوبکر کو نہیں پایا، وہاں حضرت
عمر موجود تھے۔انہی سے کہا کہ آپ نماز پڑھا دیں۔حضرت عمر
آگے بڑھے اور تکبیر کہی۔حضرت عمر کی آواز اونچی تھی سرکار نے
سُن لی اور فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ اس بات سے اللہ تعالی
راضی ہے نہ مسلمان راضی ہوں گے۔یہی الفاظ پھر دہرائے۔
حضرت عمر نے ابھی نماز پوری نہیں کی تھی کہ حضرت
ابوبکر ڈھونڈھ کر لائے گئے اور انہوں نے نماز پڑھائی۔

دوسری روایت میں یوں ہے کہ:

لما سمع النبي صلى الله عليه وسلم صوت عمر قال ابن
زمعة: خرج النبي صلى الله عليه وسلم حتى اطلع
راسه من حجرته ثم قال: لا، لا، لا، ليصل للناس ابن ابي

قحافة، يقول ذلك مغضبا۔

ترجمہ: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے تکبیر کہنے کی آواز سنی تو سرکار نے حجرۂ انور سے سر اقدس کو باہر نکالا اور غضب ناک ہو کر فرمایا: نہیں، نہیں، نہیں۔ ابن ابو قحافہ (ابوبکر) نماز پڑھائے!

اس پر لمعات التنقیح ج ۹، ص ۶۰۱ میں شیخ محقق (م ۹۵۸ھ) نے فرمایا ہے:

فيه دليل على فضله في الدين على جميع الصحابة فكان تقديمه في الخلافة ايضا اولىٰ وافضل، ولهذا قال سيدنا على المرتضىٰ رضي الله عنه: قدمك رسول الله صلى الله عليه وسلم في امر ديننا، فمن الذي يوخرك في دنيانا۔ اھ

ترجمہ: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق دین کے معاملہ میں تمام صحابہ سے افضل ہیں لہٰذا خلافت کے معاملہ میں بھی آپ کی تقدیم سب سے اولی و افضل ہے۔ اسی لیے سیدنا علی مرتضی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دینی معاملہ میں سب پر مقدم رکھا تو کون ہے جو دنیوی معاملوں میں مؤخر کر سکے؟

ابوداؤد کے حاشیہ میں ہے:

سئلت عائشة رضي الله عنها: من كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مستخلفا لو استخلفه؟ قالت: ابابكر،

فقيل لها: ثم مَن بعد ابي بكر؟ قالت: عمر۔ هذا دليل لاهل السنة في تقديم ابي بكر ثم عمر للخلافة مع اجماع الصحابة، وفيه دلالة لاهل السنة ان خلافة ابي بكر ليست بنص النبي صلى الله عليه وسلم على خلافته صريحا، بل اجمعت الصحابة عقد الخلافة له وتقديمه لفضيلته۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اپنا خلیفہ نام زد کرتے تو کس کو کرتے؟ انھوں نے فرمایا: حضرت ابوبکر کو۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ حضرت ابوبکر کے بعد کس کو نام زد کرتے؟ انھوں نے جواب دیا: حضرت عمر کو۔ اجماع کے ساتھ یہ حدیث بھی دال ہے کہ تمام صحابہ میں خلافت کے پہلے حق دار حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر۔ نیز یہ حدیث اہل سنت کے لیے اس بات کی بھی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی خلافت کے لیے صراحتاً تنصیص نہیں فرمائی تھی بلکہ ان کی تقدیمِ خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوا تھا اور تقدیم خلافت پر اجماع ان کی فضیلت کی وجہ سے ہوا تھا۔

علاوہ ازیں بخاری شریف ج ۱: ص ۵۱۶: میں ہے:

عن ابن عمر، قال: كنا نخير بين الناس في زمان الرسول ﷺ فنخير ابابكر ثم عمر الخ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں لوگوں کے درمیان ایک پر دوسرے کو فضیلت دیا کرتے تو ابوبکر صدیق کو (سب پر) افضل سمجھتے تھے۔ ان کے بعد عمر فاروق کو الخ۔

اسی طرح ابوداؤد شریف ص ۶۳۶ میں ہے:

ان ابن عمر قال: کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی: "افضل امة النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابو بکر"۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر کہتے ہیں: ہم لوگ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری ہی میں کہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں، پھر حضرت عمر الخ۔

مناقب ائمہ اربعہ ص ۲۹۸ میں ہے:

روی عن الصحابة فی ادعاء فضله (فضل ابی بکر) بحضرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیر حضرته مع عدم الاعتراض والانکار؛ لان اکثر هذه الاخبار ظاهرة فی الصحابة لا یعلم احد اعتراضا علیها۔

ترجمہ: صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی فضیلت کا چرچا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غائبانے، بلکہ موجودگی میں بھی ہوتا جس پر کوئی اعتراض یا انکار نہیں ہوا۔ یہ باتیں صحابہ کے

درمیان ظاہر ومشہور تھیں، جن پر اعتراض کوئی نہیں جانتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی قرۃ العینین ص ۲۷ میں ہے:

وقت انعقاد خلافت صدیق جمعے از فقہائے صحابہ صدیق را افضل امت گفتند و بآں استدلال کردند بر استخلاف او، و دیگراں تسلیم نمودند وموافقت کردند در اول حالت یا بعد توقف۔ وسکوت وتسلیم قبل تدوین مذاہب اجماع است کما بیّن فی محلہ۔

ترجمہ: حضرت صدیق کی خلافت منعقد ہوتے وقت فقہائے صحابہ کی ایک جماعت نے صدیق اکبر کو افضل کہا اور افضلیت سے آپ کی خلافت پر استدلال فرمایا اور دوسرے صحابہ نے اسی وقت یا کچھ توقف کے بعد تسلیم کیا اور موافقت کی۔ اور مذاہب کی تدوین سے پہلے سکوت وتسلیم اجماع ہے جیسا کہ اپنے مقام پر بیان ہوا ہے۔

تو ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق کے افضل ہونے کی وجہ سے ان کے خلیفۂ اول ہونے پر اجماع کیا، یہ نہیں کہ ان کے خلیفۂ اول ہونے کی وجہ سے ان کو افضل سمجھا۔

ہاں! بعض حضرات کے الفاظ وعبارات سے کچھ لوگوں کو دھوکا ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ افضلیت کی بنیاد، خلافت میں تقدیم ہے۔ حالاں کہ حضرت علی پر حضرت عثمان کی تقدیم اجماعی ہے مگر اس کے باوجود ان کی افضلیت اجماعی نہیں مختلف فیہ ہے۔ اس لیے نقض پیش کیا اور کہا کہ خلافت کی تقدیم افضلیت کی دلیل ہوتی تو بعض اسلاف حضرت عثمان سے حضرت علی کو افضل قرار نہیں دیتے، کیوں کہ

حضرت علی کی موجودگی کے باوجود حضرت عثمان کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے۔یعنی ان کا اعتراض اپنی سمجھ کے مطابق افضلیت کی دلیل، خلافت کی ترتیب کو قرار دینے پر ہے، افضلیت پر نہیں۔جب کہ افضلیت کی دلیل خلافت کی ترتیب نہیں ہے۔ہاں! خلافت کی ترتیب پر افضلیت مرتب ہوتی تو قطعی نہیں، ظنی ہوتی۔فافہم۔

الغرض! حضرت صدیق اکبر کی افضلیت پر کوئی کلام نہیں، وہ بلاشبہہ خاص قطعی ہے جس کو قطعی بالمعنی الاعم کہتے ہیں اور جس کے انکار پر حکم تفضیل ہے۔ ہاں! حضرت عثمان غنی کی، حضرت علی پر افضلیت ظنی ہے، اس کے انکار پر گمرہی کا حکم نہیں ہوگا۔

●●●

اعتراض (۷):

نماز کی امامت کے مسئلہ کو بھی وجہ افضلیت میں شمار کیا گیا ہے، حالاں کہ نماز کی امامت وجہ فضیلت تو ہے مگر وجہ افضلیت ہر گز نہیں؛ کیوں کہ فضیلت میں برابر شخص کی امامت بھی جائز ہے بلکہ مفضول کی امامت بھی جائز ہے۔(زبدہ ص ۲۲۰)

جواب:

حضرت صدیق اکبر کی امامتِ نماز کو ان کی افضلیت کے اسباب میں شمار نہیں کیا گیا ہے بلکہ حضرت عمر کے امامت فرمانے کے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب ناک ہوکر ’’نہیں، نہیں، نہیں! ابن ابوقحافہ (ابوبکر) نماز پڑھائیں۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ راضی ہے نہ مسلمان راضی ہوں گے‘‘ فرمانے، حضرت عمر کے، درمیانِ نماز، امامت چھوڑ کر الگ ہوجانے، پھر حضرت صدیق اکبر کے امامت کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کو مقرر رکھنے کو افضلیت کے اسباب میں شمار کیا گیا ہے، جیسا کہ سوال نمبر ۴ کے جواب میں اس کی تفصیل گذر چکی۔

اور تسلیم بھی کرلیا جائے، تو افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت کا جائز ہونا تو صحیح ہے مگر بلا کسی خاص وجہ کے افضل کی موجودگی میں مفضول سے امامت کرانا مستدرک علی الصحیحین ج ۴ ص ۹۲ میں مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اس وعید کا مستحق بننا بھی ہے:

من استعمل رجلا من عِصابة وفی تلك العصابة من هو ارضیٰ للہ منه فقد خان اللہ ورسوله والمومنین۔

جس نے جماعت کے کسی ایسے فرد کو کام سونپا جس سے اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ شخص اس جماعت میں موجو ہے تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔

اسی وجہ سے درمختار مع ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۱ میں فرمایاہے:

الأحق بالامامة تقدیما بل نصبا بأحکام الصلاۃ۔

(مجمع الانھر)الأعلم بأحکام الصلاۃ۔

[امامت کرنے بلکہ امام مقرر کئے جانے کا زیادہ حق دار وہ جو احکام نماز کا زیادہ جانکار ہو۔]

اورغنیة المستملی ص ۵۱۳ میں فرمایاہے:

لو استویا فی العلم و الصلاح و احدھما اقرأ فقدموا الآخر أساءوا۔

دو شخص علم ونکوکاری میں برابر ہوں مگر ایک تجوید میں بڑھا ہو اور لوگ دوسرے کو مقدم کریں تو اساءت کے مرتکب ہوں گے۔

یہ تو ممکن نہیں کہ خود وعید فرمانے والے صلی اللہ علیہ وسلم، افضل کے ہوتے ہوئے اس شدومد سے مفضول کی امامت کا حکم فرمائیں۔

ان سب سے بھی صرف نظر کیجے تو حدیث پاک یومکم اقرئکم [تمہاری امامت وہ کرے جو تم سے اقرأ ہو] کے پیش نظر تو افضل سے امامت

کرانا بالاتفاق اولی وافضل ہے۔اسی لیے حضرت مولاے کائنات رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو ہمارے دین کے کام یعنی نماز پڑھانے میں مقدم رکھا تو کون ہے جو آپ کو ہمارے دنیا کے کام یعنی خلافت میں موخر کر سکے؟

شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی (م ۹۵۸ھ) لمعات التنقیح ج ۹ ص ۶۰۱ میں فرماتے ہیں:

فیه دلیل علی فضله فی الدین علی جمیع الصحابة فکان تقدیمه فی الخلافة ایضا اولیٰ وافضل ۔ولھذا قال سیدنا علی المرتضی رضی الله عنه :قدمك رسول الله صلی الله علیه وسلم فی امر دیننا،فمن الذی یوخرك فی دنیانا۔ اھ

ترجمہ:اس حدیث مرتضوی میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق دین کے معاملہ میں تمام صحابہ سے افضل ہیں، لہذا خلافت کے معاملہ میں بھی آپ کی تقدیم سب سے اولی وافضل ہے۔اسی لیے سیدنا علی مرتضی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہا سے فرمایا :رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو ہمارے دینی معاملہ میں سب پر مقدم رکھا تو کون ہے جو دنیوی معاملے میں موخر کرے؟

حضرت علامہ بحر العلوم نے فواتح الرحموت ج ۴ ص ۲۳۹ میں فرمایا ہے :

ان صلوح امیر المؤمنین الصدیق الاکبر للامامة کان

ثابتا عندهم قطعاوانما كان بحثهم في الاولوية من
الصالحين ولاشك ان من كان اولى بامامة الصلاة فانه
لكونه افضل ومن هو افضل اولى بالامامة الكبرى الخ۔

ترجمہ: صحابۂ کرام کے نزدیک یہ بات تو ثابت تھی کہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یقینی طور پر خلافت کے لائق ہیں۔ان
حضرات کے درمیان بحث اس بات میں تھی کہ جن لوگوں میں
یہ لیاقت ہے ان میں اولیٰ و بہتر کون ہیں؟ جب دیکھا کہ رسول
اللہ ﷺ نے بہ تکرار حضرت ابوبکر سے امامت کرائی۔تو کوئی
شک نہ رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نماز کی امامت
کے لیے بہتر و اولیٰ حضرت صدیق اکبر ہیں۔اس لیے افضل
وہی ہیں، اور جو افضل ہیں خلافت کے لیے بھی اولیٰ وہی ہیں۔

شرح عقائد ص ۱۰۹ کی یہ عبارت گذر چکی ہے کہ:
"بايعوه لما كان افضل اهل عصره واولهم بالخلافة"۔
[صحابہ نے آپ کی بیعت اس لیے کی کہ آپ اپنے زمانے میں سب سے
افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے]

●●●

اعتراض (۸):

آپ نے اجماع کے باب میں کئی کتابوں کے حوالوں سے نقل کیا ہے کہ
امام مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع
نقل فرمایا ہے۔حالاں کہ امام مالک نے اجماع کا انکار فرمایا ہے، جیسا کہ:
علامہ ابن عبد البر نے عبد اللہ بن وہب کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

سمعت مالكا يقول: لاافضل احدامن العشرة و لاغيرهم
على صاحبه وكان يقول :هذا من علم الله الذى
لايعلمه غيره۔

ترجمہ: میں نے امام مالک کو یہ کہتے سنا: میں عشرہ مبشرہ
میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت نہیں دیتا اور نہ کسی
دوسرے کو کسی دوسرے پر فضیلت دیتا ہوں۔فرمایا کرتے
تھے یہ اللہ تعالیٰ کے اس علم میں سے ہے جس کو اس کی عطا کے
بغیر کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

اسی صفحہ پر امام مالک کا فرمان درج ہے:
قال مالك: ادركت شيوخنا بالمدينة وهذا رأيهم۔
ترجمہ: میں نے مدینہ طیبہ میں اپنے شیوخ دیکھے، یہی ان کا
عقیدہ تھا۔(زبدہ ص ۱۸۴)

اس کے علاوہ الاستذکار ہی میں عبد اللہ بن وہب ہی سے رایت ہے کہ

قال :سمعت مالکایقول:لاافاضل احدامن العشرۃ ولاغیرھم علی صاحبہ وکان یقول :ھٰذامن علم اللہ الذی لایعلم غیرہ۔

ترجمہ: میں نے امام کو کہتے سنا: میں عشرۂ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت نہیں دیتا اور نہ ہی کسی دوسرے پر فضیلت دیتا ہوں۔ فرمایا کرتے تھے: یہ اللہ تعالیٰ کے اس علم میں سے جس کو اس کی عطا کے بغیر کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

اور

''الاستذکار'' ج۴: ص ۲۴۳ : میں ہے:

مالک بن انس نے فرمایا :لیس من امر الناس الذین مضوا ان یفاضلوا بین الناس۔

ترجمہ :جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا یہ کام نہیں تھا کہ لوگوں کے درمیان درجات متعین کریں۔

سمعت مصعب بن عبد اللہ الولیدی یقول :لم یکن احد من مشائخنا الذین ادرکنا ببلدنا یفضل بین احد من العشرۃ لا مالك ولا غیرہ ۔

ترجمہ :مصعب بن عبداللہ الولیدی کا کہنا ہے :جن مشائخ کو ہم نے اپنے شہر میں پایا، ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دے نہ ہی امام مالک ایسا کرتے تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا ایسا کرتا

تھا۔(زبدہ ص ۱۹۵)

اس کے علاوہ علامہ ابن حزم نے لکھا ہے:

روینا نحوعشرین من الصحابۃ ان اکرم الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی بن ابی طالب والزبیربن العوام رضی اللہ تعالی عنھما۔

ترجمہ: ہم نے تقریباً بیس صحابۂ کرام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔

پھر ص ۲۴۱ پر منقول ہے:

روی شعبۃ عن ابن اسحاق عن عبدالرحمٰن بن یزید،عن علقمۃ،عن عبداللہ بن مسعود قال :کنانتحدث ان افضل اھل المدینۃ علی ابن ابی طالب۔

ترجمہ: ہم لوگ (صحابہ کرام) کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں۔

نیز ص ۲۴۲ پر ہے:

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث درباره افضلیت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو جناب امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فضائل صحابہ ج ۲ ص ۸۴۷ پر بھی روایت فرمایا ہے۔ جناب امام احمد بن حنبل کے روایت کرنے سے اس کو مزید تقویت ملتی ہے۔

ص ۲۴۳ پر ہے:

بیس (۲۰) جلیل القدر صحابہ حضرت علی مرتضی اﷲعنہ اور حضرت زبیر بن العوام کی افضلیت پر متفق تھے۔

حضرت ابو ہریرہ کا نظریہ یہ ہے کہ سب سے افضل حضرت جعفر طیار ہیں: عن ابی ھریرۃ :قال ما احتذی النعال ولا انتعل ولا رکب المطایا ولا رکب الکور بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل من جعفر۔

(ترمذی ۲۔۱۔۲۴۰)

ترجمہ: کسی نے جوتا نہیں پہنا نہ ہی کوئی اونٹنیوں پر سوار ہوا اور نہ ہی کوئی اونٹ کے کجاوے میں سوار ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو جعفر طیار سے افضل ہو۔

امام ابن حجر (الاصابہ ج ۱، ص ۲۷۲) میں لکھتے ہیں:

وکان ابو ھریرۃ یقول: انہ افضل الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

[حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بے شک حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔]

اس جگہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ رائے از قسم عقیدہ ہے۔

(زبدہ ص ۲۴۴)

جواب :

امام مالک کا فرمانا صحیح ہے مگر ''زبدۃ التحقیق'' میں اس سے جو سمجھا گیا ہے وہ درست نہیں۔ امام مالک کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جن کی افضلیت پر اجماع قطعی بالمعنی الاعم ہے ان کو چھوڑ کر میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتا اور یہی ہمارے مشائخ کی رائے ہے۔

اگر یہ معنی نہ ہو تو امام مالک کے اپنے کلام میں تعارض ہو جائے گا؛ کیوں کہ خود امام مالک نے ''مدونہ'' میں حضرت صدیق اکبر کی افضلیت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

(۱) "اوفی ذالك شك؟ [کیا اس میں کوئی شک ہے؟]

(۲) وقد روی عن مالك رحمہ اللہ۔ تقدیم الشیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما من روایۃ ابن القاسم وغیرہ۔

ترجمہ :ابن القاسم وغیرہ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ شیخین یعنی ابوبکر وعمر تمام صحابہ سے مقدم ہیں۔

(۳) الاستذکار، ج ۱۴ ص ۲۴۴ میں ہے:

عن عبد العزیز بن ابی الحازم :سئلت مالکا فیما بینی وبینہ :من تُقدم بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال :اقدم ابابکر وعمر۔ قال :ولم یزل علی ھٰذا۔

ترجمہ :عبد العزیز بن ابو حازم کہتے ہیں کہ میں نے گفتگو کے

درمیان امام مالک سے پوچھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ میں کن کو مقدم مانتے ہیں؟ امام مالک نے جواب دیا: ابوبکر اور عمر کو۔ عبدالعزیز بن ابو حازم کہتے ہیں: امام مالک اسی موقف پر زندگی بھر قائم رہے۔ (ایضاً)

نیز پچھلے صفحات میں یہ بیان ہو چکا کہ عام صحابۂ کرام بہ شمول مولا علی اور ائمہ مجتہدین میں امام اعظم، جو امام مالک سے پہلے وفات پا چکے تھے، سب نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابہ پر فضیلت دی ہے۔ بلکہ خود امام مالک نے بھی یہی کیا ہے۔ تو پھر بھلا وہ کیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ "بہ شمول حضرت صدیق اکبر تمام لوگوں کے درمیان، درجات متعین کرنا گذرے ہوئے لوگوں کا کام نہیں تھا"۔ کیا امام مالک کو امام اعظم کے ساتھ ساتھ بہ شمول مولا علی، عام صحابہ کے اقوال بلکہ خود رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی بھی خبر نہیں تھی؟ اگر خبر تھی اور ضرور تھی تو پھر خود انہوں نے کیسے فرمایا ہے کہ "حضرت ابوبکر و عمر سب سے مقدم ہیں"۔

اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام مالک کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے لوگوں کے درمیان قطعی و یقینی طور پر درجات متعین نہیں کیے۔

رہی بات بیس (۲۰) جلیل القدر صحابہ کے حضرت علی مرتضی رضی اللہ اور حضرت زبیر بن عوام کی افضلیت پر متفق ہونے کی! تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ دونوں کے دونوں بیک وقت افضلیت مطلقہ سے متصف ہوں۔ ہاں! افضلیت جزئیہ یا

افضلیت مطلقہ ہی سے متصف ہونا مراد ہو مگر الگ الگ زمانوں میں، تو ممکن ہے۔ جیسے حضرت صدیق اکبر اپنے زمانے میں افضل مطلق تھے اور حضرت عمر فاروق اپنے زمانے میں۔

اور جہاں تک حضرت ابوہریرہ کے عقیدہ سے متعلق بات ہے! تو "زبدہ" ہی میں جن صحابہ سے الگ الگ حضرات کی افضلیت نقل کی گئی ہے، کیا دین میں ان کی پیروی نہیں کی جاتی؟ اور ان صحابہ کا فرمانا دین و شریعت نہیں بلکہ باطل ہے؟ کیا حضرت ابوہریرہ کا فرمانا جو ان کا عقیدہ تھا وہ بھی باطل ہے؟ بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو جمہوری مسلک قرار دینا، حضرت ابوہریرہ کے عقیدے سے انحراف کرنا نہیں ہے؟ بلکہ جمہور کی پیروی میں "زبدہ" کے اندر اسی جمہوری مسلک کو اختیار کرنا خود اپنے ہی مسلک کو باطل قرار دینا نہیں ہے؟

●●●

اعتراض (۹):

افضلیت، جس کا نہ تو کوئی قطعی ثبوت ہے اور نہ ہی یہ ضروریات دین میں سے ہے۔ (زبدہ ص ۱۸۰)

جواب:

یہ تو صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی افضلیت کا مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے، کیوں کہ ضروریات دین کے ثبوت کے لیے دلیل قطعی بالمعنی الاخص ہونے کے ساتھ ساتھ بدیہی ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے منکر کی تکفیر ہوتی ہے۔ مگر قطعی بالمعنی الاخص کی نفی سے خاص قطعی جسے قطعی بالمعنی الاعم کہتے ہیں اور جس سے ثابت شدہ حکم ضروریات اہل سنت میں سے ہوتا ہے اور انکار کرنے والا گم راہ و بد دین قرار پاتا ہے، کی نفی نہیں ہوتی ہے؛ وجہ یہ ہے کہ قطعی بالمعنی الاعم اور قطعی بالمعنی الاخص میں عموم وخص مطلق کی نسبت ہے۔ قطعی بالمعنی الاعم، عام ہے اور قطعی بالمعنی الاخص، خاص۔ اور اخص کی نفی سے اعم کی نفی نہیں ہوتی ہے جیسے جاندار اعم ہے اور انسان اخص، اور انسان کی نفی جاندار کی نفی کو مستلزم نہیں کہ جو انسان نہ ہو وہ جاندار بھی نہ ہو۔ اور جیسے انسان اعم ہے اور عالم اخص تو کسی سے عالم ہونے کی نفی کرنے سے اس کے انسان ہونے کی نفی نہیں ہو جاتی۔ یوں ہی مسلمان اعم ہے اور سنّی اخص تو کسی سے سُنّی ہونے کی نفی سے یہ لازم نہیں کہ اسے مسلمان بھی نہیں مانا گیا۔

شرح مواقف ص ۶۴۳ قبیل خاتمۃ للمقصد الرابع میں ہے:

نفی الخاص لایستلزم نفی العام۔

[خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں۔]

اس لیے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی افضلیت کا مسئلہ خاص قطعی یعنی قطعی بالمعنی الاعم ہے۔ جیسا کہ ہم، اجماع اہل سنت، نصوص قرآنیہ، احادیث رسول، آثار صحابہ، فرامینِ اہل بیت اور اقوال ائمہ وعلما سے ثابت کر آئے، تو یہ ضروریات اہل سنت میں سے ہوا۔ لہٰذا دیدہ ودانستہ اس کا منکر سنی نہیں، گم راہ و بد دین قرار پائے گا۔

●●●

اعتراض (۱۰):

آپ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ قطعی بالمعنی الاعم ہے۔اگر قطعی بالمعنی الاعم ہے تو سوال یہ ہے کہ امام لقانی نے اسے ظنی کیسے فرمایا ہے؟

اور کیسے؟

امام سیوطی نے خصائص کبری وانموذج اللبیب اور امام محمد عبد الرؤوف المناوی نے فیض القدیر ج ۴ ص ۵۵۵ میں لکھا :

و ذکر علیم الدین العراقی ان فاطمة واخاها ابراهیم افضل من الخلفاء الاربعة بالاتفاق۔

ترجمہ : علیم الدین عراقی نے ذکر کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہ بالاتفاق خلفاے اربعہ سے افضل ہیں۔(زبدہ ص ۲۵۴)

نیز

علامہ عبدالبر نے کیسے فرمایا ہے کہ

واما التعیین فیهم وتفضیل بعضهم علی بعض، فهذا لا یصح فی نظر ولا اعتبار ولا یحیط بذلك الا الواحد القهار المطلع علی النیات الحافظ للاعمال الا من جاء فیه اثر صحیح بانه فی الجنة جاز ان یقال فیه ذلك اتباعا للاثر لا انه افضل من الذین شارکوه فی مثل فضله

ذلك ومن فضله رسول الله صلی الله علیه وسلم بخصلة وشهد له بها جاز ان یفضل بها فی نفسه لا علی غیره۔

ترجمہ : صحابہ میں تعیین کرنا اور بعض کو بعض پر افضلیت دینا یہ نظر و اعتبار میں صحیح نہیں، اس کو سواے واحد وقہار کے کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔(وہی جو) نیتوں سے آگاہ ہے، اعمال کا محافظ ہے، سواے اس کے جس کے حق میں کوئی صحیح حدیث آئی ہوئی ہے کہ ''وہ جنتی ہے'' اس کے حق میں یہ کہنا حق ہے بوجہ حدیث کی پیروی کرنے کے۔ نہ یہ کہ وہ افضل ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو اس کے اس طرح کی فضیلت میں شریک ہے، جس کو رسول اللہ نے کسی ایک صفت میں فضیلت دی اور اس کے حق میں اس (فضیلت) کی شہادت دے دی، جائز ہے کہ اس کو اس میں صاحب فضیلت کہا جائے ،مگر دوسرے پر اس کو فضیلت نہ دی جائے (زبدہ ص ۱۸۰و۱۸۱)

جواب:

بلاشبہہ حضرت ابوبکر صدیق کی تمام صحابہ سے افضلیت قطعی بالمعنی الاعم ہے، مگر قطعی بالمعنی الاعم اور ظنی کی دوسری قسم میں منافات نہیں ہے جیسا کہ فائدہ نمبر ۴ میں واضح کیا گیا ہے۔اس لیے اسے قطعی کہنا بھی درست ہے اور ظنی کہنا بھی درست ہے۔یعنی یہ مسئلہ قطعی کی دوسری قسم، قطعی بالمعنی الاعم اور ظنی کی

دوسری قسم، ظنی بالمعنی الاخص ہے۔

حضرت محدث شاہ عبد العزیز، جن کو ”زبدۃ“ میں الحجۃ علی الخلق لکھا گیا ہے، وہ اپنے فتاوی عزیزی کے ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں:

فضیلت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ قطعی است وآنچہ بعضے نوشتہ اند چنانچہ امام رازی وآمدی وغیرہما من علماء الکلام نیز صحیح و درست است۔ تفصیلش آنکہ نظر بہر یک از ادلہ تفضیل ظنی است زیرا کہ خبر آحاد مفید ظن است وآنچہ در کلام اللہ تعالیٰ کہ متواتر است واقع شدہ مثل ”لایاتل اولو الفضل منکم“ و”سیجنبہا الاتقی“ وغیرہ ذالک محتمل التاویل است فلایفید القطع۔ اما چوں مجموعہ ادلہ را من حیث المجموع ملاحظہ کردہ شود مفید قطع۔ وبسا است کہ ہر دلیل مفید ظن گردد و مجموع دلائل مفید قطع می گردد کمافی الخبر المتواتر فان الآحاد لایفید الا الظن ومجموعہا اذا بلغت حد التواتر یفید القطع ۔ کذا ھٰذا۔ درکتاب ازالۃ الخفا و قرۃ العینین بسط ایں مقام بوجہے واقع شدہ کہ بعد از عبور براں ہیچ شبہہ در قطعیت نمی ماند۔

ترجمہ: حضرت صدیق اکبر کی افضلیت قطعی ہے۔ بعض علما جیسے آمدی وغیرہ نے جو ظنی لکھا ہے، وہ بھی صحیح ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس سلسلے کی ہر ایک دلیل فی نفسہ ظنی ہے؛ کیوں کہ اخبار آحاد ظنی ہوتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ کلام اللہ تو متواتر ہے اس

میں جو ”لایاتل اولوا الفضل منکم“۔ اور۔ ”سیجنبہا الاتقی“ وغیرہ آیا ہے! تو وہ محتمل تاویل ہے جس سے یقین کا افادہ نہیں ہوتا۔

ہاں! جب تمام دلیلوں کو ملا کر دیکھیں تو یقین کا افادہ ہو جاتا ہے۔ اور ایسا بہت ہے کہ ہر دلیل اپنی جگہ مفید ظن ہے مگر دلیلوں کے مجموعہ سے یقین کا افادہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خبر متواتر میں ہوتا ہے، کیوں کہ آحاد سے تو ظن ہی کا افادہ ہوتا ہے مگر ان کا مجموعہ جب حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے تو قطعی کا افادہ کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں ہے۔ کتاب ”ازالۃ الخفا“ اور ”قرۃ العینین“ میں یہ مسئلہ اس بسط کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد اس مسئلہ کی قطعیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

رہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی بات! تو بلا شبہ حضرت فاطمہ حضور ﷺ کا جز ہونے کی حیثیت سے خلفاے اربعہ سے بھی افضل ہیں۔ مگر یہ افضلیت کثرت ثواب کے اعتبار سے نہیں بلکہ نسب کے اعتبار سے ہے۔

جیسا کہ علامہ مناوی ہی نے تحریر فرمایا ہے:

قال الشیخ شہاب الدین ابن حجر ان التفضیل لا ینحصر فی زیادۃ الثواب، قال فی المطامح ان الفضیلۃ رتبۃ ذاتیۃ۔ و فاطمۃ فضیلتہا بالذات والاتصال و کذا سائر اولادہ۔ و ذکر العلیم العراقی ان فاطمۃ و اخاہا ابراہیم افضل من الخلفاء الاربعۃ بالاتفاق۔

ترجمہ: شہاب الدین ابن حجر نے فرمایا کہ افضلیت کثرت ثواب ہی میں منحصر نہیں ہے۔ ''مطامح'' میں ہے کہ فضیلت ذاتی (نسبی) بھی ہوتی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ذات (نسب) اور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال کی بنا پر ہے اور یہی حال حضور کی باقی اولاد میں بھی ہے۔ علیم الدین عراقی نے فرمایا ہے کہ حضرت فاطمہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم (افضلیت ذاتی (نسبی) کی وجہ سے) بالاتفاق خلفاے اربعہ سے افضل ہیں۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ''زبدۃ التحقیق'' میں ماسبق کے بغیر صرف اخیر کا ایک ٹکڑا نقل کر دیا گیا ہے۔ اور ایک اسی مقام پر منحصر نہیں، بلکہ اکثر مقام پر دیدہ یا نادیدہ ایسا ہی کیا گیا ہے۔

یوں ہی علامہ ابن عبد البر کی یہ عبارت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت مطلقہ سے متعلق نہیں ہے؛ کیوں کہ اس عبارت میں عقل وقیاس سے جاننے کی نفی اور قرآن وحدیث سے جاننے کا استثنا ہے۔ جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت مطلقہ عقل وقیاس سے نہیں، قرآن واحادیث اور فرامین اہل بیت واجماع سے ثابت ہے، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔ ع: وآفته من الفهم السقيم۔

●●●

اعتراض (۱۱):

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ پر اجماع میں اختلاف صرف بدمذہبوں ہی کا نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے بعض افراد کا بھی ہے جیسا کہ منح الروض شرح فقہ اکبر للملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) ص ۳۴۴ میں ہے:

ولعله أراد بالاجماع اجماع أكثر اهل السنة والجماعة؛ لأن الاختلاف واقع بين علي وعثمان رضي الله عنهم عند بعض اهل السنة وان كان الجمهور على الترتيب المذكور۔

ترجمہ: غالباً انھوں نے اجماع سے اکثر اہل السنت والجماعت مراد لئے ہیں؛ کیوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان بعض اہل سنت کا اختلاف گزرا ہے اگرچہ جمہور اہل سنت کا موقف، خلافت کی مذکورہ ترتیب کے طور پر ہی ہے۔ (زبدہ ص ۲۶۹)

تو یہ اجماع اکثری ہوا نہ کہ اجماع کلی۔ اور اجماع اکثری کو مسلک جمہور بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے علامہ شعرانی نے ''الیواقیت والجواہر ص ۳۳۲ میں : اسے مسلک جمہور سے تعبیر کیا ہے۔

انا قائلون بترتيب هؤلاء الخلفاء الاربعة كما عليه الجمهور۔

[ہم لوگ ان خلفاے اربعہ کی ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ
جمہور کا مذہب ہے۔(زبدہ ص ۲۰۳)

جواب:

جس طرح لفظ اجماع کا اطلاق کبھی اہل قبلہ کی نسبت سے ہوتا ہے، تو کبھی اہل سنت کی نسبت سے، بلکہ کبھی اہل مذہب کی نسبت سے بھی۔ اسی طرح لفظ جمہور کا اطلاق بھی کبھی اہل قبلہ کی نسبت سے کیا جاتا ہے تو کبھی اہل سنت کی نسبت سے۔ بلکہ کبھی اہل مذہب کی نسبت سے بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

جب اس کا اطلاق اہل قبلہ کی نسبت سے ہو تو اہل قبلہ کی غالب اکثریت یعنی اہل سنت مراد ہوتے ہیں ـــــ اور جب اہل سنت کی نسبت سے ہو تو اہل سنت کی غالب اکثریت مراد ہوتی ہے جیسا کہ فائدہ نمبر ۳ میں اس کی طرف واضح اشارہ کیا جا چکا ہے ـــــ اسی طرح جب اس کا اطلاق اہل مذہب کی نسبت سے کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اہل مذہب کی غالب اکثریت ہوتی ہے۔

اس لیے جن حضرات نے اسے اجماعی کہا ہے۔ ان کی مراد اہل سنت کا اجماع ہے اور جنہوں نے اسے مسلک جمہور سے تعبیر کیا ہے، ان کی مراد جمہور مسلمین ہے۔

بلکہ حضرت شیخ محقق عبدالحق علیہ الرحمہ نے تکمیل الایمان ص ۸۴ پر فرمایا ہے:

جمہور ائمہ دریں اجماع نقل می کنند۔

[جمہور ائمہ حضرت صدیق اکبر کی افضلیت پر اجماع نقل کرتے

ہیں۔]

یعنی اختلاف کا تعلق اجماع سے نہیں بلکہ اجماع نقل کرنے والوں سے ہے۔ پہلے صحابۂ کرام و تابعین عظام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس کے بعد جمہور ائمہ نے اسے نقل کیا ہے، کیوں کہ جمہور ائمہ کو صحابۂ کرام و تابعین عظام کے اجماع فرمانے کا علم قابل وثوق ذرائع سے ہو گیا۔ اور بعض ائمہ کو صحابۂ کرام کے اجماع فرمانے کا علم قابل وثوق ذرائع سے نہیں ہو سکا، اس لیے انہوں نے اجماع نقل نہیں کیا۔ یاد رہے کہ عدم وجود، وجودِ عدم اور عدمِ علم، علمِ عدم نہیں ہوتا ہے۔

ہم فتاوی عزیزی ص ۱۰۲ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ:

دریں جا قاعدۂ کلیہ ملحوظ نظر باید فرمود کہ در وقت اجماع و اتفاق اہل حل و عقد بر امرے از امور شرعیہ دلائل و مآخذ آں امر از طرق شتی و مسالک متعددہ بر قلوب اہل عصر وارد می شود و بہیئت مجموعیہ موجب تیقن و ظن غالب بحکم آں امر می شود۔ اگر از دیگراں کہ در آں وقت حاضر نبودہ اند ہر ہر ماخذ و دلیل را فرادی فرادی نظر کنند نزد ایشاں موجب غلبۂ ظن یا تیقن نمی شود۔ لیکن در حق ایشاں اجماع منعقد در زمان سابق در دلیل بودن کفایت می کند۔ از یں قاعدہ مسائل بسیارے برآید۔ و اگر اہل زمان متاخر خواہند کہ سوائے اجماع دلیلے دیگر دراں مسائل پیدا کنند متحیر می شوند و ہرگز ایشاں را برو یقین میسر نمی شود؛ زیرا کہ دلائل و مآخذ اجماعیہ در ذہن ایشاں فراہم نمی آیند و ترتیب زمانی سنوخ آں دلائل و مآخذ و قرائن را نمی توانند شناخت۔

ترجمہ: یہ قاعدہ کلیہ ملحوظ نظر رکھنا چاہئے کہ کسی امر شرعی
پر اہل حل وعقد کے اتفاق واجماع کے وقت اس مسئلہ کے
دلائل وماخذ مختلف طریقوں اور متعدد انداز سے اہل عصر کے
قلوب پر وارد ہوتے ہیں اور مجموعی ہیئت سے اس مسئلہ کے
تیقن وظن غالب کا موجب بن جاتے ہیں۔ اگر دوسرے
حضرات اس وقت وہاں موجود نہ رہے ہوں اور ہر ہر دلیل
وماخذ پر فرداً فرداً نظر ڈالیں تو ان کے نزدیک غلبۂ ظن یا تیقن
کا موجب نہیں ہوگا۔ لیکن ان کے حق میں سابق میں منعقد شدہ
اجماع دلیل کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یہ وہ قاعدہ ہے جس سے
بہت سے مسائل برآمد ہوتے ہیں۔ اگر متاخرین چاہیں کہ ان
مسائل میں اجماع کے علاوہ دوسری دلیل پیدا کریں تو متحیر رہ
جائیں گے۔ انہیں ہرگز یقین میسر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان کے
ذہن میں اجماع کے دلائل وماخذ ہی فراہم نہیں ہوں گے اور
زمانی ترتیب ان کو ان دلائل وماخذ کی اصل اور قرائن کی
شناخت نہیں کرا پائے گی۔

پس صاحب یواقیت نے چوں کہ چاروں خلفا کے مابین افضلیت کی
بات کہی ہے جن میں سے حضرت عثمان غنی کا مولا علی سے افضل ہونا اہل سنت کا
اجماعی نہیں، بلکہ جمہوری مسلک ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی علیہ الرحمۃ تکمیل الایمان ص ۷۴ میں فرماتے ہیں:

ومروی از امام مالک وغیرہ توقف است میان عثمان وعلی۔

از مالک پرسیدند کہ افضل امت بعد پیغمبر کیست؟ گفت: ابو
بکر ثم عمر! گفتند: علی وعثمان را چہ می گوئی؟ گفت: مقتدایان
دین از آنہا کہ مادریافتہ ایم، ہیچ را نیافتہ ایم کہ تفضیل یکے بر
دیگرے می کرد از ین دو۔

ترجمہ: امام مالک وغیرہ سے حضرت عثمان اور حضرت علی کے
درمیان توقف مروی ہے۔ چناں چہ امام مالک سے جب
دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں
افضل کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: حضرت ابوبکر، پھر حضرت
عمر رضی اللہ عنہما! لوگوں نے پھر دریافت کیا کہ حضرت علی
اور حضرت عثمان کے تعلق سے کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے
جواب دیا کہ ہم نے دین کے کسی مقتدا شخص کو حضرت عثمان
اور حضرت علی کے بارے میں کسی کو کسی پر فضیلت دیتے
نہیں پایا۔

تو یہ اختلاف، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع
میں نہیں ہوا، بلکہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ کی
افضلیت پر اجماع میں میں ہوا، دوسرے لفظوں میں اس پر جمہور مسلمین کا نہیں،
جمہور اہل سنت کا اجماع ہوا جیسا کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے
ہیں:

لأن الاختلاف واقع بین علی وعثمان رضی الله عنهما
عند بعض اهل السنة۔

ترجمہ: کیوں کہ افضلیت عثمان وعلی میں بعض اہل سنت کا اختلاف ہے۔

اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر بھی بعض اہل سنت کا اختلاف ہوتا، تو وہ صرف یہ کہنے پر اکتفا نہیں کرتے کہ

"لان الاختلاف واقع بين علی وعثمان رضی الله عنهم عند بعض اهل السنة"۔

[کیوں کہ بعض اہل سنت کے نزدیک عثمان ذوالنورین اور مولا علی رضی اللہ عنہما کے درمیان افضلیت کے بارے میں اختلاف ہے۔]"

بلکہ یوں فرماتے :

"لان الاختلاف واقع بينهم عند بعض اهل السنة۔

[کیوں کہ بعض اہل سنت کے نزدیک ان حضرات صحابہ کے درمیان اختلاف واقع ہے]"

نیز

گذشتہ صفحہ میں حضرت شیخ عبد الحق محقق دہلوی علیہ الرحمۃ کی تکمیل الایمان ص ۷۴ کے حوالہ سے یہ عبارت نقل ہو چکی ہے:

بیہقی در کتاب "الاعتقاد" می گوید کہ ابوثور از شافعی روایت می کند کہ ہیچ یکے از صحابہ وتابعین در تفضیل ابوبکر وعمر وتقدیم ایشاں اختلافے نکردہ، واختلافے اگر ہست، در علی وعثمان است۔ و بالجملہ قرارداد مشائخ اہل سنت برآں است کہ در تقدیم ابوبکر

وعمر بر سائر صحابہ ورعایت ترتیب میان ایشاں اختلافے نیست۔

ترجمہ: امام بیہقی نے "کتاب الاعتقاد" میں لکھا ہے کہ امام ابوثور علیہ الرحمہ نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی ایک صحابی یا تابعی کا بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگر اختلاف ہے تو حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے۔ بالجملہ! مشائخ اہل سنت کی قرارداد، اس پر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باقی صحابہ پر افضلیت اور ان حضرات کے درمیان ترتیب کی رعایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اب اگر صاحب یواقیت یہاں اجماع کا لفظ استعمال کرتے تو چاروں کے مابین افضلیت کی بات ایک ہی درجہ کی اجماعی سمجھی جاتی جو خلاف واقع ہے؛ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا جمہور اہل سنت کا مسلک، سارے اہل سنت کا اجماعی نہیں۔ اس لیے امام شعرانی نے جمہور کا لفظ استعمال فرمایا تا کہ بات خلاف واقع نہ ہو۔

●●●

اعتراض (۱۲):

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع بالمعنی الاعم یعنی اہل سنت کا اجماع ہے جس کا انکار گمرہی ہے تو جن حضرات نے اس اجماع کے خلاف کیا ہے، کیا وہ گمراہ ہیں؟

جواب:

جن صحابہ نے انعقاد اجماع کے وقت اختلاف کیا تھا، ان کے لیے گمرہی کا حکم نہیں ہے ؛ کیوں کہ وہ اختلاف انعقاد اجماع میں تھا۔ اجماع کو تسلیم نہ کرنے میں نہیں۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۲۲۷، ۲۲۸ میں ہے :

قال: لایلزم تضلیل بعض الصحابة؛ لان رأيه كان حجة قبل حدوث الاجماع فحكمه كان عن دليل شرعي۔

ترجمہ: اختلاف کرنے والے صحابہ کی تضلیل لازم نہیں آتی ہے؛ کیوں کہ ان کی اختلافی رائے تو انعقاد اجماع سے پہلے تھی جو ان کی نظر میں دلیل شرعی سے تھی۔

لہٰذا جن حضرات کو اجماع منعقد ہوجانے کا علم، قطعی بالمعنی الاعم کے ذریعہ سے نہ ہو، وہ اختلاف کریں تو ان پر گمرہی کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا، جب تک انہیں قطعی بالمعنی الاعم کے ذریعہ سے علم نہ ہوجائے۔ جیسے حرام قطعی

بالمعنی الاخص ہونے کا علم کسی کو قطعی بالمعنی الاخص کے ذریعہ نہ ہو تو اس کی تکفیر نہیں ہوتی ہے۔

فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۰۱ میں ہے:

لایکفی فی الکفر بالانکار ان یقول له شخص او اشخاص لم یبلغوا عدد التواتر: هذا واجب، اوحلال، اوحرام، بل لا بد ان یتواتر عنده ذلك فاذا تواتر عنده كفر بالشك او الانكار۔

ترجمہ: ایک شخص یا عدد تواتر سے کم چند اشخاص ہی کسی کو یہ بتائیں کہ یہ چیز فرض یا حلال یا حرام ہے اور وہ نہ مانے تو کافر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کفر کے لیے بطور تواتر یعنی قطعی بالمعنی الاخص ثبوت ضروری ہے۔ ہاں! کوئی بات کسی کے نزدیک بطور تواتر ثابت ہو پھر وہ شک یا انکار کرے تو کافر ہوجائے گا۔

ہاں! قطعی بالمعنی الاعم کے ذریعے سے اجماع کا علم ہوجانے کے بعد کوئی انکار کرے تو اس کے لیے گمرہی کا حکم ہوگا۔ کمامر۔

●●●

اعتراض (۱۳):

صواعق محرقہ میں ہے کہ:

وردفی ابی بکروغیرہ کعلی نصوص متعارضة یاتی بسطھافی الفضائل وھی لاتفید القطع، لانھاباسرھا آحاد وظنیة الدلالة مع کونھا متعارضة ایضا لیس الاختصاص بکثرة اسباب الثواب موجبا لزیادة مستلزمة للافضلیة قطعا بل ظنا؛ لانه تفضل من الله، فله ان لایثیب المطیع ویثیب غیرہ، وثبوتُ الامامة وان کان قطعیا لایفید القطع بالافضلیة بل غایته الظن۔

ترجمہ: جناب ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے کے درمیان مثلاً علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نصوص متعارضہ وارد ہوئی ہیں اور وہ نصوص کسی کی بھی افضلیت کے بارے میں قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں، کیوں کہ وہ ساری اخبار واحدہ ہیں اور ظنیُ الدلالۃ ہیں۔ باوجودے کہ وہ نصوص متعارض بھی ہیں۔ اور ثواب کے اسباب کی کثرت کے ساتھ مخصوص ہونا کسی زیادتی فضیلت کو قطعی طور پر لازم نہیں کرتا، بلکہ ظنی طور پر لازم کرتا ہے؛ کیوں کہ ثواب اللہ کا فضل ہے، اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ مطیع

کوثواب نہ دے اور کسی دوسرے کو ثواب دے دے ۔اورامامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے تاہم افضلیت کے قطعی ہونے کے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کی انتہا ظن ہے۔(زبدہ ص ۲۴)

جس کی انتہا ظن ہو وہ قطعی کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب:

یہ صاحب صواعق محرقہ نے اپنی بات نہیں کہی ہے بلکہ دوسرے کا قول نقل کیا ہے، بلاشبہہ صرف نصوص کو دیکھیں تو وہ یقین کا افادہ نہیں کرتی ہیں مگر جب ان کے ساتھ قرائن کو ملاحظہ کریں تو حضرت صدیق اکبر کی افضلیت مطلقہ کا ظن غالب ہوجاتا ہے اور اجماع کو بھی ملالیں تو قطعی بالمعنی الاعم ہوجاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی ''فتاوی عزیزی'' کے حوالے سے یہ عبارت نقل کرچکے ہیں:

فضیلت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ قطعی است وآنچہ بعضے نوشتہ اند، چنانچہ امام رازی وآمدی وغیرہما من علماء الکلام نیز صحیح و درست است ۔ تفصیلش آنکہ نظر بہر یک ازادلہ تفضیل ظنی است زیرا کہ خبر آحاد مفید ظن است وآنچہ در کلام اللہ تعالیٰ کہ متواتر است واقع شدہ مثل "لایأتل اولو الفضل منکم" و۔ "سیجنبھا الاتقیٰ" وغیرہ ذالک محتمل التاویل است فلا یفید القطع۔ اما چوں مجموعہ ادلہ را من حیث المجموع ملاحظہ کردہ شود مفیدِ قطع۔ وبسا است کہ ہر دلیل مفید ظن گردد و

مجموع دلائل مفید قطع می گردد کما فی الخبر المتواتر فان
الآحاد لایفید الا الظن ومجموعها اذا بلغت حد
التواتر یفید القطع۔ کذا ھذا۔ در کتاب ازالۃ الخفا
وقرۃ العینین بسط ایں مقام بوجہے واقع شدہ کہ بعد از عبور
براں ہیچ شبہہ در قطعیت نمی ماند۔

ترجمہ : حضرت صدیق اکبر کی افضلیت قطعی ہے ۔بعض
علما جیسے آمدی وغیرہ نے جو ظنی لکھا ہے، وہ بھی صحیح ہے ۔جس کی
تفصیل یہ ہے کہ اس سلسلے کی ہر ایک دلیل فی نفسہ ظنی ہے
؛ کیوں کہ اخبار آحاد ظنی ہوتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ کلام اللہ
تومتواتر ہے اس میں جو ”لایاتل اولوا الفضل منکم
“۔ اور ”سیجنبها الاتقی“ وغیرہ آیا ہے! تو وہ محتمل تاویل
ہے جس سے یقین کا افادہ نہیں ہوتا۔ ہاں! جب تمام
دلیلوں کو ملا کر دیکھیں تو یقین کا افادہ ہوجاتا ہے۔ اور ایسا بہت
ہے کہ ہر دلیل اپنی جگہ مفید ظن ہے مگر دلیلوں کے مجموعہ سے
یقین کا افادہ ہوجاتا ہے ۔جیسا کہ خبر متواتر میں ہوتا ہے ؛ کیوں
کہ آحاد سے تو ظن ہی کا افادہ ہوتا ہے مگر ان کا مجموعہ جب حد
تواتر کو پہنچ جاتا ہے تو قطعی کا افادہ کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں
ہے۔ کتاب ”ازالۃ الخفا“ اور ”قرۃ العینین“ میں یہ مسئلہ
اس بسط کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھ لینے کے
بعد اس مسئلہ کی قطعیت میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا۔

نیز یہ ارشاد بھی:

دریں جا قاعدۂ کلیہ ملحوظ نظر باید فرمود کہ در وقت اجماع واتفاق
اہل حل وعقد بر امرے از امور شرعیہ دلائل و مآخذ آں امر از طرق
شتی ومسالک متعددہ برقلوب اہل عصر وارد می شود و بہیئت
مجموعیہ موجب تیقن وظن غالب بحکم آں امر می شود۔
اگر از دیگراں کہ درآں وقت حاضر نبودہ اند ہر ہر ماخذ و دلیل
را فرادی فرادی نظر کنند نزد ایشاں موجب غلبۂ ظن یا تیقن نمی
شود۔ لیکن در حق ایشاں اجماع منعقد در زمان سابق در دلیل بودن
کفایت می کند۔ از یں قاعدہ مسائل بسیارے برآید۔ واگر اہل
زمان متاخر خواہند کہ سوائے اجماع دلیلے دیگر دراں مسائل
پیدا کنند متحیر می شوند و ہرگز ایشاں را برو یقین میسر نمی شود؛ زیرا کہ
دلائل و مآخذ اجماعیہ در ذہن ایشاں فراہم نمی آیند وترتیب زمانی
سنوخ آں دلائل و مآخذ وقرائن رانمی توانند شناخت۔

ترجمہ : یہ قاعدہ کلیہ ملحوظ نظر رکھنا چاہئے کہ کسی امر شرعی پر اہل
حل وعقد کے اتفاق واجماع کے وقت اس مسئلہ کے دلائل
و مآخذ مختلف طریقوں اور متعدد انداز سے اہل عصر کے قلوب
پر وارد ہوتے ہیں اور مجموعی ہیئت سے اس مسئلہ کے تیقن وظن
غالب کا موجب بن جاتے ہیں۔ اگر دوسرے حضرات اس
وقت وہاں موجود نہ رہے ہوں اور ہر ہر دلیل وماخذ پر فرادی
فرادی نظر ڈالیں تو ان کے نزدیک غلبۂ ظن یا تیقن کا موجب

نہیں ہوگا۔لیکن ان کے لیے سابق میں منعقد شدہ اجماع دلیل کے لیے کافی ہوتا ہے ۔ یہ وہ قاعدہ ہے جس سے بہت سے مسائل برآمد ہوتے ہیں۔ اگر متاخرین چاہیں کہ ان مسائل میں اجماع کے علاوہ دوسری دلیل پیدا کریں تو متحیر رہ جائیں گے۔ انہیں ہرگز یقین میسر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان کے ذہن میں اجماع کے دلائل وماٰخذ ہی فراہم نہیں ہوں گے اور زمانی ترتیب ان دلائل وماٰخذ کی اصل اور قرائن کی شناخت نہیں کراپائے گی۔

●●●

اعتراض (۱۴) :

حضرت صدیق اکبر کی امامت پر اس لیے اجماع منعقد ہوگیا کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اجتہاد کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے مفاد یعنی حب سیادت کی بنا پر اختلاف کیا تھا۔مگر آپ کی افضلیت کے بارے میں تو بعض صحابہ وتابعین کا اختلاف کسی دنیوی مفاد کی بنا پر نہیں ہے تو پھر کیسے اجماع کا انعقاد مانا جائے ؟

جواب:

جن حضرات صحابہ وتابعین کا بظاہر اختلاف ملتا ہے وہ افضلیت جزئیہ کے بارے میں ہے ، افضلیت مطلقہ کے بارے میں نہیں۔جب کہ کسی کے لیے افضلیت جزئیہ کا ثبوت دوسرے کے لیے افضلیت مطلقہ کے ثبوت کا منافی نہیں جیسا کہ بار بار بیان ہو چکا ہے۔

اور اگر کوئی افضلیت مطلقہ ہی میں اختلاف کا مدعی ہو تو اس کے ذمہ لازم ہوگا کہ پہلے وہ اس سلسلہ میں نقل صریح پیش کرے ، پھر یہ بھی ثابت کرے کہ اختلاف کرنے والے حضرات مجتہد تھے ؛ کیوں کہ صحابیت وتابعیت کی لاکھ شرافت وفضیلت کے باوجود غیر مجتہد صحابہ وتابعین کے اختلاف سے انعقاد اجماع میں فرق نہیں پڑتا ہے۔

اصول الفقہ للعیاض، ج۱،ص ۱۳۴ میں ہے :

لكن لما كان العوام مأمورين باتباع العلماء؛ لقوله

تعالیٰ :فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل :۴۳)۔ فالمحدث الذی لا یعرف اصول الفقه و قواعده، و الفقیه الحافظ للفروع الذی لا یعرف احادیث الاحکام، والاصولی الذی لا یعرف أدلة الاحکام لا یعتد بقولهم فی الاجماع۔

ترجمہ : عوام کو مجتہدین کی پیروی کرنے کا حکم ہے؛ جیسا کہ ارشاد باری ہے: جس شرعی مسئلہ کا حکم نہیں جانتے ہو جاننے والے (مجتہدین) سے پوچھو۔ لہٰذا جس محدث کو فقہ کے اصول وقواعد معلوم نہ ہوں، یا احکام فرعیہ کے جانکار جس فقیہ کو ان احادیث کی معرفت نہ ہو جن احادیث سے شرعی احکام مستنبط ہوتے ہیں، ایسے ہی جس اصولی کو احکام شرعیہ کے دلائل کی معرفت نہ ہو، اجماع میں ان کی بات کا اعتبار نہیں۔

●●●

اعتراض (۱۵):

علامہ ابن عبد البر نے امام مالک کا یہ قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

قول مالك هذا يدل على انه لم يصح عنده حديث نافع عن ابن عمر: كنا نفاضل على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فنقول :ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم نسكت فلا نفضل احدا، وكان افهم الناس لنافع واعلمهم بحديثه وكان نافع عنده احد الذين يقتدى بهم فى دينه، فلو كان هذا الحديث عنده صحيحا من حديث نافع عن ابن عمر ما قال قوله هذا۔

ترجمہ :امام مالک کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے (یہ بتاتا ہے) کہ ان کے نزدیک نافع رضی اللہ عنہ کی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت صحیح نہیں: ”ہم حضور علیہ السلام کے عہد سعادت مہد میں افضلیت دیا کرتے تھے اور کہا کرتے: ابو بکر پھر عمر پھر عثمان (رضی اللہ عنہم) پھر چپ کر جایا کرتے تھے اور کسی کو فضیلت نہیں دیا کرتے تھے“، حالاں کہ وہ نافع کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور ان کی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور نافع ان کے نزدیک ان لوگوں میں سے تھے جن کی دین میں پیروی کی

جایا کرتی تھی۔ اگر یہ حدیث ان کے نزدیک نافع سے صحیح ہوتی اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ہوتی تو امام مالک یہ جملہ کبھی نہ بولتے۔ (زبدہ ص ۱۸۴ و ۱۸۵)

جواب :

حضرت ابن عمر کی روایت کردہ حدیث کے اس ٹکڑے "ثم عثمان ثم نسکت فلا نفضل احدا" [افضلیت کے تعلق سے عثمان کے بعد کسی اور کا نام نہیں لیتے] اور امام مالک کے فرمان : "میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جس کی دین میں پیروی کی گئی ہو، کہ وہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو" میں بظاہر جو تعارض ہے، اس کو دفع کرنے کے لیے امام عبد البر اپنی سمجھ کے مطابق یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ "امام مالک کے نزدیک اس حدیث کا یہ ٹکڑا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس ٹکڑے کو صحیح سمجھتے تو کیسے یہ فرماتے کہ "میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جس کی دین میں پیروی کی گئی ہو، کہ وہ کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو"۔

اگر امام ابن عبد البر کی عبارت کا یہ مطلب جو یہ فقیر عرض کر رہا ہے، نہ ہو، بلکہ یہ مطلب ہو کہ حضرت ابن عمر کی روایت کردہ پوری حدیث ہی امام مالک کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ تو امام مالک پر صریح تضاد بیانی کا الزام ہوگا کہ ایک طرف تو وہ "مدونہ" میں یہ فرماتے ہیں کہ:

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں کوئی شک ہی نہیں۔

(۲) وقد روی عن مالك رحمه الله : تقديم الشيخين : ابی بكر و عمر رضی الله عنهما من رواية ابن القاسم وغيره۔

ترجمہ : ابن القاسم وغیرہ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ شیخین یعنی ابوبکر و عمر تمام صحابہ سے مقدم ہیں۔

(۳) الاستذکار، ج ۱۴ ص ۲۴۴ میں ہے :

عن عبدالعزیز بن ابی الحازم :سئلت مالکا فیما بینی وبینه :من تُقدم بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال :اقدم ابابکر و عمر۔ قال :ولم یزل علی هٰذا۔

ترجمہ: عبدالعزیز بن ابوحازم کہتے ہیں کہ میں نے گفتگو کے درمیان امام مالک سے پوچھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ میں کن کو مقدم مانتے ہیں؟ امام مالک نے جواب دیا : ابوبکر اور عمر کو۔ عبدالعزیز بن ابوحازم کہتے ہیں: امام مالک اسی موقف پر زندگی بھر قائم رہے۔ (ایضاً)

دوسری طرف یہ فرماتے ہیں:

"میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جس کی دین میں پیروی کی گئی ہو کہ وہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو"۔

اس لیے امام مالک کے اس فرمان کا مطلب یہی ہے جو اس فقیر نے عرض کیا:

"حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سلسلے میں ہمارا اور

ہمارے شیوخ کا کف لسان ہے''۔

اس سے ابن عمر کی روایت کردہ پوری حدیث بھی صحیح قرار پاجاتی ہے اورامام مالک پر تضاد بیانی کاالزام بھی نہیں آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ خودعلامہ ابن عبدالبر نے اس کے بعداہل سنت کے ارباب فقہ وحدیث کا مسلک ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

جماعة اهل السنة وهم اهل الفقه والآثار على تقديم ابى بكر و عمروتولى عثمان و على و جماعة اصحاب النبى عليه السلام و ذكر محاسنهم و نشر فضائلهم و الاستغفار لهم۔

ترجمہ : جماعت اہل سنت کے ارباب فقہ وحدیث کا مسلک ابوبکروعمر کی تقدیم اورعثمان وعلی نیزاصحاب نبی کی جماعت سے محبت اوران کے محاسن کاذکر،فضائل کی تشہیراوران کے لیے دعاے مغفرت کرنا ہے۔

اوراخیر میں فرمایا ہے:

وهذاهوالحق الذى لايجوزعندناخلافه۔والحمدلله!

ترجمہ :الحمدللہ! ہمارے نزدیک یہی مسلک حق ہے جس کے خلاف عقیدہ رکھنا درست نہیں۔

الغرض! امام مالک کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرصدیق اورعمر فاروق رضی اللہ عنہما جن کی افضلیت پراجماع واتفاق ہے، ان کو چھوڑ کر باقی عشرۂ مبشرہ کے افراد میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتا ہوں؛ کیوں کہ یہ علم اللہ ہی کو ہے جسے اور کوئی نہیں جانتا۔میرے مدینہ کے شیوخ کا بھی یہی خیال تھا

۔۔۔ جس کا ایک واضح قرینہ یہ بھی ہے جو خود ''زبدہ'' ہی کے ص ۲۴۳ پر الاستذکار ج ۱۴، ص ۲۴۰ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

روى سحنون عن ابن القاسم من كتاب الديات من المدونة قال :سمعت مالكا وسئل عن على وعثمان، فقال :ما ادركت احدا اقتدى به فى دين يفضل احدهما على صاحبه۔

ترجمہ: سحنون نے ابن قاسم سے ''مدونہ'' کی کتاب الدیات سے روایت کیا ہے۔انہوں نے کہا: میں نے امام مالک کو سنا جب کہ ان سے علی رضی اللہ عنہ اورعثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو جس کی دین میں پیروی کی گئی ہو نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو۔

یہاں حضرت علی وعثمان رضی اللہ عنہ کا نام لے کر سوال تھا، اس لیے امام مالک نے ان دونوں ہی کے تعلق سے فرمایا کہ :ما ادركت احدا اقتدى به فى دين يفضل احدهما على صاحبه۔[میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو جس کی دین میں پیروی کی گئی ہو نہیں دیکھا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو۔]

رہی بات جعفر طیار کی افضلیت کی! تو یہ بھی افضلیت جزئی ہی کی بات ہے جیسا کہ ہم ماقبل میں عرض کر آئے۔

●●●

اعتراض (۱۶):

فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۲۳ ص ۲۲۳ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

اول من اشفع له يوم القيامة من امتي اهل بيتي ثم الاقرب فالاقرب من قريش، ثم الانصار، ثم من آمن بي واتبعني من اليمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم ومن أشفع له اولا أفضل۔

ترجمہ: جس کی قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کروں گا میری امت میں سے وہ میری اہل بیت ہے ۔پھراس کے بعد قریش میں سے جومیرے زیادہ قریبی ہوں گے، پھران کے بعد جوزیادہ قریبی ہوں گے۔اس کے بعد انصار کی شفاعت کروں گا پھراس کے جومیرے اوپر ایمان لایااور میری پیروی کی اہل یمن سے، اس کی شفاعت کروں گا پھر سارے عرب کی کروں گا پھر عجمیوں کی کروں گااور جس کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہوگا۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل، حضرت علی ہوں ؛ کیوں کہ وہی اہل بیت سے ہیں نہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما؟

جواب:

یہ حدیث ضعیف ہے۔

علامہ مناوی نے فیض القدیر ج ۳ ص ۹۱ میں لکھا ہے :

قال الهيثمي :وفيه من لم اعرفهم، ورواه الدار قطني في الأفراد عن ابي الربيع الزهراني، عن حفص بن داؤود، عن ليث، عن مجاهد، عن ابن عمر ,قال الدارقطني :تفرد به حفص عن ليث انتهى، وحكم ابن الجوزي بوضعه و قال:ليث ضعيف وحفص كذاب وهو المتهم به انتهى۔

ترجمہ: امام ہیثمی نے فرمایا ہے :اس حدیث کے راویوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔ دارقطنی نے یہ حدیث افراد میں ابوربیع زہرانی سے، انہوں نے حفص بن داؤد سے، انہوں نے لیث سے، انہوں نے مجاہد سے، انہوں نے ابن عمر سے روایت کرکے فرمایا کہ لیث سے روایت کرنے میں حفص منفرد ہیں اور ابن جوزی نے تو اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگادیا ہے اور کہا ہے کہ لیث ضعیف ہے اور حفص بہت زیادہ غلط روایت کرنے والا اور کذب سے متہم ہے۔

اور حدیثِ ضعیف فضائل کے سلسلے میں تو کارآمد ہے اور امام احمد رضا نے اسے فضائل ہی میں بیان کیا ہے۔جب کہ افضلیت باب عقائد سے ہے جس میں

حدیث ضعیف کارآمد نہیں۔جیسا کہ ''زبدۃ التحقیق'' میں بھی ہے کہ:

افضلیت، عقائد کا مسئلہ ہے جس میں دلیل ظنی قابل قبول نہیں۔(زبدہ ۳۵۷)

●●●

اعتراض (۱۷):

جب قبر یا حشر میں یہ سوال ہوگا کہ کون افضل ہے اور کون مفضول؟ تو یہ عقیدہ اجماعی اور ضروری کیسے ہوسکتا ہے؟ علامہ ابن عبد البرتو فرماتے ہیں:

قد اجمع علماء المسلمین ان اللہ تعالیٰ لا یسال عبادہ یوم الحساب "من افضل عبادی"، "ولا ھل فلان افضل من فلان"ولا ذلك مما یسال عنه احد فی القبر ولکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قد مدح خصالا وحمد اوصافا من اھتدی الیھا حاز الفضائل۔

ترجمہ: علماے اسلام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں سے سوال نہیں کرے گا ''میرے بندوں میں سے سب سے افضل کون ہے''، اور نہ ہی یہ سوال ہوگا ''کیا فلاں فلاں سے افضل ہے؟'' اور نہ ہی یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں قبر میں سوال ہوگا۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ساری عادات (صفات) کی تعریف فرمائی ہے (انھیں) سراہا ہے، جو ان کی طرف راہ یاب ہو جائے گا وہ فضائل حاصل کر لے گا۔ (زبدۃ التحقیق ص ۱۸۳)

جواب:

قرآن کریم کا ارشاد ہے :"فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" [جوایک ذرہ بھر بھلائی کرے، اسے دیکھے گا اور جوایک ذرہ بھر برائی کرے، اسے دیکھے گا]

قیامت میں کن کن باتوں سے متعلق سوال ہوگا اور کن کن باتوں سے سوال نہیں ہوگا؟ اس پر کن کن کتابوں میں علما کا اجماع بیان کیا گیا ہے؟۔ نیز قیامت یا قبر میں خلافت کے بارے میں بھی سوال ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو یہ کس کتاب میں ہے؟ کیوں کہ خلافت کے لیے قریشی ہونے کی شرط پر اجماعِ قطعی کی بات تو "زبدہ" میں بھی کہی گئی ہے۔

●●●

اعتراض (۱۸):

تفضیل میں کلام کرنا تو ایک مسئلۂ اجتہادیہ ہے ۔جو اس میں خطا کرنے والے کو اس باب میں فسق تک نہیں پہنچاتا (زبدہ ص ۲۶)

جواب:

مسئلہ تفضیل، اجماع سے پہلے اجتہادیہ تھا اور کوئی مسئلہ جب تک اجتہادیہ رہے، کوئی مجتہد اس میں خطا کرے تو وہ، اور ان کی تقلید میں جو، اس پر عمل کریں فاسق نہیں کہلائیں گے ۔مگر جب اس پر اجماع ہوجائے تو اب وہ اجتہادیہ نہیں رہتا ہے اور اس کا خلاف کرنے والے، مدارج اجماع کے مطابق تفسیق وتضلیل کے مستحق ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خلافت کے مسئلہ میں قریشی ہونے کی شرط پر حدیث پاک:"الائمۃ من قریش" خبر واحد تھی۔

شرح مواقف ۷۳۷ میں ہے:

قولہ علیہ السلام:"الائمۃ من قریش"خبر واحد۔

[حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "قریشی ہی ائمہ ہوں گے" خبر واحد ہے۔

اور خبر واحد کا ظنی اور اجتہادی ہونا متفق علیہ ہے۔

مگر جب اسی خبر واحد کے مضمون پر اجماع ہوگیا تو اب یہ شرط ظنی نہیں بلکہ قطعی بالمعنی الاعم ہوگئی۔جس کے مزید حوالے فائدہ نمبر ۱ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

●●●

اعتراض (۱۹):

مجتہد فیہ تو اس مسئلہ کو کہتے ہیں کہ جس پر کتاب وسنت میں کوئی بھی دلیل نہ ہو؟ (زبدہ ص ۲۸)

جواب:

جی نہیں، یہ بات صحیح نہیں کہ جس پر کتاب وسنت میں کوئی بھی دلیل نہ ہو، وہ مجتہد فیہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ جس پر کتاب وسنت میں کوئی بھی دلیل نہ ہو، وہ تو بدعت سیئہ ہے۔ واضح رہے کہ اباحت پر بھی قرآن وحدیث ہی میں دلیل موجود ہے۔ مجتہد فیہ مسئلہ کی تعریف یہ ہے کہ مجتہد کی نظر میں اس پر دلیل قطعی نہ ہو۔

فواتح الرحموت ج ۲ ص ۳۵۴ میں ہے:

المجتهد فيه كل حكم شرعي ليس فيه دليل قطعي۔

مجتہد فیہ ہر وہ شرعی مسئلہ ہے جس کے بارے میں دلیل قطعی موجود نہ ہو۔

بحر الرائق ج ۶ ص ۴۶۵، ۴۶۶ کتاب القضا میں ہے:

المجتهد فيه وهو حكم شرعي ظنّي عليه۔

[مجتہد فیہ اس حکم شرعی کو کہتے ہیں جو قطعی نہیں، ظنّی ہو۔]

رد المحتار ج ۲، ص ۵۶۰ میں مکتبہ نعمانیہ ہے:

(لانه مجتهد فيه) اي: موضع اجتهاد صحيح بمعنى أنه

يسوغ فيه الاجتهاد: لانه لم يخالف كتابا و لاسنة مشهورة ولااجماعا۔

[مجتہد فیہ مسئلہ سے مراد وہ مختلف فیہ مسئلہ ہے جس میں اختلاف کے لئے اجتہاد صحیح کی گنجائش ہوتی ہے۔ بہ لفظ دیگر جو مسئلہ کتاب، سنت مشہورہ اور اجماع کے خلاف نہ ہو]

اور مقلدین محض خواہ محققین ہی کیوں نہ ہوں، ان کے حق میں مجتہد فیہ وہی مسئلہ ہے جو ائمۂ اربعہ کا متفقہ نہ ہو۔ جس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو جائے اگر وہ پہلے مجتہد فیہ بھی ہو تو اب مجتہد فیہ نہیں رہے گا۔

الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۲۹۹ میں ہے:

ما خالف الائمة الاربعة مخالف للاجماع، وان كان فيه خلاف لغيرهم. فقد صرح في التحرير أن الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للاربعة۔

ترجمہ: دوسروں کے اختلاف کے باوجود ائمۂ اربعہ کا اتفاق اجماع ہے اور اس کی مخالفت اجماع کی مخالفت ہے چنانچہ ''تحریر'' میں اس بات کی صراحت ہے کہ ائمۂ اربعہ کے مخالف مذہب پر عمل نہ کرنے کے سلسلہ میں اجماع ہے۔

فتح القدیر کے مصنف حضرت علامہ ابن ہمام، جو صاحب تخریج وترجیح ہیں، انہوں نے بھی مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا نظریہ یہی بتایا ہے:

عندي ان هذا لايعول عليه، فان صح ان مالكا وابا حنيفة والشافعي مجتهدون، فلا شك في كون المحل

اجتهادیا، والافلا ۔ ولاشك انهم اهل اجتهاد ورفعة۔

ترجمہ: میرے نزدیک یہ بات قابل قبول نہیں کہ مسئلہ صحابۂ کرام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہو تبھی مجتہد فیہ مانا جائے گا؛ کیوں کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی بھی بلاشبہہ مجتہد ہیں۔ اور جب یہ حضرات مجتہد ہیں، تو جس مسئلہ میں ان حضرات کا اختلاف ہو، اس مسئلہ کے تعلق سے بھی مانا جائے گا کہ وہ مجتہد فیہ ہے۔ اور جس مسئلہ میں ان حضرات کا اتفاق ہو جائے وہ مجتہد فیہ نہیں رہے گا (ج ۷ ص ۲۸۳)

ہدایہ آخرین ج ۳ ص ۱۲۵ میں ہے :

فیما اجتمع اهل الجمهور لایعتبر مخالفة البعض و ذٰلك خلاف ولیس باختلاف، والمعتبر الاختلاف۔

ترجمہ: اہل جمہور کے بالمقابل بعض حضرات کی مخالفت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ یہ خلاف ہے، اختلاف نہیں اور اعتبار تو اختلاف کا ہوتا ہے۔

الدرالمختار میں ہے:

الاصل ان القضاء یصح فی موضع الاختلاف لاالخلاف والفرق ان للاول دلیلا لاللثانی۔

ترجمہ : اصل یہ ہے کہ موضع اختلاف میں قضا صحیح ہوتی ہے، موضع خلاف میں نہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ موضع اختلاف میں دلیل ہوتی ہے، موضع خلاف میں دلیل نہیں

ہوتی۔

اس کے تحت ردالمحتار ج ۴ ص ۳۳۱ میں ہے :

و المراد أنه خلاف لادلیل له بالنظر للمخالف و الا فالقائل اعتمد دلیلا۔

ترجمہ: دلیل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخالف کی نظر میں وہ، قابل قبول دلیل نہیں ہوتی ہے ورنہ قائل تو اسے قابل قبول دلیل سمجھ کر ہی اس پر اعتماد کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلافت کبریٰ کے لیے قریشی ہونے کی شرط سے متعلق حدیث :الائمة من قریش۔ جو اصل کے اعتبار سے خبر واحد اور ظنی تھی جس سے ثابت شدہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے مگر جب اس پر صحابۂ کرام کا اجماع ہو گیا تو اب وہ ظنی اور مجتہد فیہ نہیں رہا، قطعی ہو گیا۔ جس کے قطعی ہونے کا اقرار ''زبدۃ التحقیق'' میں بھی کیا گیا ہے :

چناں چہ ص ۳۵ میں لکھا ہے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :الائمة من قریش۔ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق قریشی ہونے پر خلافت کا انحصار ہوا۔

●●●

اعتراض (۲۰):

فضیلت مطلقہ یا فضل کلی یا جزئی کی اصطلاحات تو بعض متاخرین ہند کی اختراعات ہیں۔ ان کا سُنیت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں۔ (زبدہ ص ۱۹) فضل کلی و فضل جزئی، افضلیت مطلقہ کی اصطلاحیں وضع کرلی ہیں۔ (زبدہ ص ۲۰)

جواب:

پہلی بات یہ ہے کہ اعتبار کسی چیز کی حقیقت واصلیت کا ہوتا ہے، اصطلاحات کا نہیں؛ کیوں کہ حقیقت واصلیت ہمیشہ پہلے سے ہوتی ہیں اور اصطلاحیں ان کے مطابق بعد میں وضع کی جاتی ہیں۔ احکام شرعیہ کی اصطلاحیں: فرض ،واجب، وغیرہ۔ علم حدیث کی اصطلاحیں: صحیح، حسن، غریب، منکر، شاذ وغیرہ، اصول فقہ کی اصطلاحیں: عام، خاص، ظاہر، نص، مفسر، محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ۔ اسی طرح علم نحو کی اصطلاحیں: فاعل، مفعول، حال، ذوالحال وغیرہ بھی تو بعد کی وضع کردہ ہیں۔ تو کیا یہ مانا جائے کہ سنیت سے ان چیزوں کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

رہی یہ بات کہ فضیلت مطلقہ کی اصطلاح، بعض متاخرین ہند کی اختراع ہے! تو عرض ہے کہ: کسی بھی چیز کے تین درجے ہوتے ہیں:

(۱) لابشرط شئی۔ (۲) بشرط شئی۔ (۳) بشرط لاشئی۔

لابشرط شئی کو مطلق شئ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے وہ تصور جو بمعنی علم

ہے۔

مطلق تصور کی دو قسمیں ہیں: تصور اور تصدیق۔

جو تصور، تصدیق کا قسیم اور اس کا مقابل ہے، وہ بشرط لاشئی ہوتا ہے اور جو تصور، تصدیق کے لیے شرط یا اس کا جز ہے وہ بشرط شئی ہوتا ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم محقق علامہ قطب الدین شیرازی شرح شمسیہ معروف بہ قطبی ص ۸ میں فرماتے ہیں:

ان الحضور الذهنی مطلقا هو نفس العلم، والتصورُ اما ان یعتبر بشرط شیء ای: الحکم ویقال له التصدیق، اوبشرط لاشئی ای: عدم الحکم ویقال له التصور الساذج، اولابشرط شئی وهو مطلق التصور، فالمقابل للتصدیق هو التصور بشرط لاشئی، و المعتبر فی التصدیق شرطا اوشطرا هوالتصور لابشرط شیء فلا اشكال۔

ترجمہ: مطلقا حضور ذہنی جو نفس علم و تصور ہے اگر اس میں بشرط شئ یعنی حکم کا اعتبار کیا جائے تو اسے تصدیق کہیں گے، اور بشرط لاشئ یعنی عدم حکم کا اعتبار کیا جائے تو اسے تصور ساذج کہیں گے۔ اور لابشرط شئ کا اعتبار کیا جائے تو اسے مطلق تصور کہیں گے۔ تصدیق کا مقابل وہ تصور ہے جو بشرط لاشئی ہے۔ جب کہ تصدیق میں اعتبار بشرط شئ کا ہے۔ لہٰذا کوئی اشکال نہیں۔

مُلاحسن ص ۲۲ : میں ہے:

ان المقسم هی الطبیعة من حیث هی هی، ویعبر عنها بمطلق الشیء لاالشیء المطلق۔ اعنی الطبیعة من حیث العموم۔

ترجمہ : طبیعت مِنْ حیث هِیَ هِیَ مقسم ہے جس کی تعبیر مطلق شئ سے کی جاتی ہے، شئ مطلق سے نہیں، یعنی جو طبیعت من حیث العموم ہو۔

حاشیہ میں ہے :

الفرق بینهما ان مطلق الطبیعة عبارة من نفسها مع عزل اللحظ عن العوارض حتی عن الاطلاق ایضاً۔ والطبیعة المطلقه عبارة عن الطبعیةالملحوظة مع العموم والاطلاق لابأن یکون الاطلاق جُزءً۔

ترجمہ: مطلق طبیعت اور طبیعت مطلقہ میں فرق یہ ہے کہ مطلق طبیعت سے مراد ذاتِ شَے ہوتی ہے جس میں عوارض حتیٰ کہ اطلاق بھی ملحوظ نہیں ہوتا۔اس کے برخلاف طبیعت مطلقہ اس طبیعت کو کہتے ہیں جس میں عموم واطلاق ملحوظ ہوتا ہے۔اگرچہ اطلاق اس کا جز نہیں ہوتا ہے۔

یعنی دونوں کے مابین عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔مطلق شئ عام اور شئ مطلق خاص ہے۔

بدائع الفوائد مکمل لابن القیم (م ۷۵۱ھ) ص ۱۳۲۳ : تا ۱۳۲۷ میں ہے :

والفرق بینهما من وجوہ:

احدها :ان الامر المطلق لا ینقسم الی امر الندب وغیرہ، فلا یکون موردا للتقسیم، ومطلق الامر ینقسم الی امر ایجاب، وامر ندب، فمطلق الامر ینقسم ، والامر المطلق غیر منقسم۔

الثانی :ان الامر المطلق فرد من افراد مطلق الامر، ولا ینعکس۔

الثالث :ان نفی مطلق الامر یستلزم نفی الامر المطلق، دون العکس۔

الرابع :ان ثبوت مطلق الامر لا یستلزم ثبوت الامر المطلق، دون العکس۔

الخامس :ان الامر المطلق نوع لمطلق الامر، ومطلق الامر جنس للامر المطلق۔

من بعض امثلة هذه القاعدة:..... فالایمان المطلق لا یطلق الا علی الکامل الکمال المامور به، ومطلق الایمان یطلق علی الناقص والکامل۔ ولهذا نفی النبی صلی الله علیه وسلم الایمان المطلق عن الزانی وشارب الخمر والسارق، ولم ینف عنه مطلق الایمان۔فلا یدخل فی قوله:والله ولی المؤمنین [آل عمران:۶۸] ولا فی قوله:قد افلح المؤمنون [المؤمنون:۱]

ولا فی قوله :انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت
قلوبهم۔[الانفال:۲] الی آخر الآیات، ویدخل فی قوله۔
وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا [الحجرات :۹]، وفی
قوله صلی الله علیه وسلم :لا یُقتل مؤمن بکافر
وامثال ذلك، ولهذا کان قوله تعالیٰ :قالت الاعراب
آمنا، قل لم تؤمنوا، ولکن قولوا اسلمنا ۔[الحجرات :
۱۴] نفیا للایمان المطلق لا لمطلق الایمان...
والمقصود الفرق بین الایمان المطلق ومطلق الایمان،
فالایمان المطلق یمنع دخول النار، ومطلق الایمان
یمنع الخلود فیها...

واما مطلق الامر ... فهو قدر مشترك مطلق لا عام،
فیصدق بفرد من افراده.. والامر المطلق للوجوب، و
مطلق الامر ینقسم الی الواجب والمندوب، والماء
المطلق طهور، ومطلق الماء ینقسم الی طهور وغیره۔

ترجمہ: مطلق امر اور امر مطلق میں کئی طرح سے فرق ہے۔

(۱) امر مطلق، امر استحباب وغیرہ میں منقسم نہیں ہوتا ہے، لہٰذا تقسیم کا مورد نہیں ہے ۔ اور مطلق امر، امر ایجاب، امر استحباب وغیرہ میں منقسم ہوتا ہے۔تو مطلق امر منقسم ہوتا ہے اور امر مطلق منقسم نہیں ہوتا ہے۔

(۲) امر مطلق، مطلق امر کے افراد کا ایک فرد ہے مگر مطلق امر،

امر مطلق کی فرد نہیں۔

(۳) مطلق امر کی نفی، امر مطلق کی نفی کو مستلزم ہے، مگر امر مطلق کی نفی، مطلق امر کی نفی کو مستلزم نہیں۔

(۴) مطلق امر کا ثبوت، امر مطلق کے ثبوت کو مستلزم نہیں مگر امر مطلق کا ثبوت، مطلق امر کے ثبوت کو مستلزم ہے۔

(۵) امر مطلق، مطلق امر کی نوع ہے اور مطلق امر، امر مطلق کی جنس۔

امر مطلق اور مطلق امر کے فرق کی چند مثالیں یہ ہیں: ایمان مطلق کا اطلاق صرف ایمان کامل پر ہوگا جو ذیل کی آیتوں میں مامور بہ ہے۔ اور مطلق ایمان کا اطلاق ایمان ناقص وکامل دونوں پر ہوسکتا ہے۔اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زناکار، شراب خور اور چور سے ایمان مطلق (کامل) کی نفی فرمائی، مطلق ایمان کی نفی نہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "والله ولی المؤمنین [اور ایمان والوں کا ولی اللہ ہے]، قد افلح المؤمنون۔[بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے]، انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبه۔ [ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں]" میں " زناکار، شراب خور اور چور" داخل نہیں ہوں گے۔اور "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا" [اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں] نیز

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم :"لا یُقتل مؤمن بکافر "[حربی
کافر کے عوض مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا]اسی طرح کی
اور بھی حدیثوں میں داخل ہوں گے۔اسی وجہ سے ارشاد باری :
"قالت الاعراب آمنا، قل لم تؤمنوا، ولکن قولوا
اسلمنا"۔[گنوار بولے ہم ایمان لائے تم فرماؤ: تم ایمان
تو نہ لائے ،ہاں یوں کہو کہ ہم اسلام لائے] میں ایمان مطلق
(ایمان کامل) کی نفی ہے،مطلق ایمان کی نفی نہیں۔
ان آیات واحادیث سے مقصود ایمانِ مطلق اور مطلقِ ایمان
میں فرق کرنا ہے۔پس ایمانِ مطلق آدمی کے جہنم میں جانے
اور مطلقِ ایمان،جہنم میں ہمیشہ رہنے سے مانع ہے بہر حال
مطلقِ امر قدر مشترک ہے،عام نہیں۔اس لیے ایک فرد کے
صادق آنے سے بھی صادق آجاتا ہے۔۔۔۔۔۔اور مطلق
امر وجوب،استحباب وغیرہ میں منقسم ہوتا ہے،اسی طرح ماے
مطلق پاک کرنے والا پانی ہے اور مطلق ماء پاک کرنے
والے اور پاک نہ کرنے والے پانی میں منقسم ہے۔
ردالمحتار ج۱:،ص۲۸۹ :میں ہے:

اعلم ان الماء المطلق اخص من مطلق ماء، لاخذ
الاطلاق فیه قیدا ولذا صح اخراج المقید به، واما
مطلق ماء فمعناه :ایُّ ماء کان، فیدخل فیه المقید
المذکور ولایصح ارادته ههنا۔

ترجمہ: یاد رکھو کہ ماے مطلق ،مطلق ماء سے اخص ہے؛ کیوں
کہ ماے مطلق میں اطلاق کی قید ہے اسی وجہ سے ماے مقید کو
اس سے خارج قرار دینا درست ہے ۔جب کہ مطلق ماء کا
مطلب ہے کوئی بھی ماء ہو،جس میں مقید ماء بھی داخل ہے۔
اس لیے یہاں مطلق ماء مراد لینا درست نہیں۔
حضرت علامہ عبیداللہ بن مسعود توضیح ص۱۱۸ میں فرماتے ہیں:

قال علمائنا رحمهم الله :المطلق ینصرف الی الفرد
الکامل، ای :الکامل فیما یطلق علیه هٰذا الاسم کالماء
المطلق لاینصرف الی ماء الورد۔

ترجمہ: ہمارے علمانے فرمایا ہے: مطلق سے مراد فرد کامل یعنی
لفظ کا اطلاق جس اسم پر ہوتا ہے اس اسم کا فرد کامل۔لہٰذا ماے
مطلق سے گلاب کا پانی مراد نہیں ہوگا۔
مفسر قرآن علامہ آلوسی روح المعانی ج ۴ص ۱۷۳ میں،علامہ حموی غمز
عیون البصائر ج۱ص ۱۳۳ میں اور علامہ خفاجی مصری عنایۃالقاضی
ج ۴ص ۲۶۳ میں لکھتے ہیں:

ان المطلق ینصرف الی الفرد الکامل لتبادره منه۔

ترجمہ: مطلق سے مراد فرد کامل ہوگی؛ کیوں کہ ذہن کا تبادر اسی
کی طرف ہوتا ہے۔
واضح رہے کہ ملاحسن اور محشی مولانا عبدالحکیم ہندوستانی سہی، مگر
علامہ قطب الدین شیرازی،علامہ ابن قیم اور علامہ شامی تو ہندوستانی نہیں

ہیں، جن کی بات یہ کہہ کر رد کردی جائے کہ ''مطلق'' کی اصطلاح ہندوستانیوں کی ایجاد کردہ ہے۔ پھر علامہ ابن قیم نے تو اس اصطلاح کا ماخذ حدیث وقرآن ہی کو بتایا۔تو کیا حدیث وقرآن بھی ہندوستانیوں کی من گھڑت اصطلاح کے مطابق وارد ہوئے ہیں؟ **یاللعجب!**

●●●

اعتراض (۲۱):

مصنف ابن شیبہ وابن عساکر میں سالم بن الجعد سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن الحنفیہ سے پوچھا:

هل كان ابو بكر اول القوم اسلاما؟ قال: لا۔

ترجمہ: کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب قوم میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ (زبدہ ص ۴۹)

اور

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفا میں فرمایا ہے:

اول من اسلم علی۔ [سب سے پہلے جو مسلمان ہوا وہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں] (زبدہ ص ۴۹)

اصول الدین ج ۹ ص ۹۸ میں ہے:

اكثر اصحاب التواريخ على ان عليا اسلم قبل ابو بكر۔
[اہل تاریخ کے اکثر حضرات کے نزدیک حضرت علی حضرت ابوبکر سے پہلے اسلام لائے]

امام جلال الدین سیوطی نے ہی نقل فرمایا ہے:

قال ابن كثير: والظاهر ان اهل بيته صلى الله عليه وسلم آمنوا قبل كل احد: زوجته خديجة ومولاه زيد وزوجة

زید ام ایمن وعلی وورقۃ ۔

ترجمہ: ظاہر بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سب سے پہلے ایمان لائے۔آپ کی زوجۂ مبارکہ جناب خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا، آپ کے غلام زید رضی اللہ عنہ، ان کی اہلیہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا وجناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ۔

اور

امام ابومنصور عبدالقاہر بغدادی (م ۴۲۹) ورطۂ تحریر میں لاتے ہیں :

الصحابۃ علی مراتب :اعلاھم رتبۃ السابقون منھم الی الاسلام۔

ترجمہ: صحابۂ کرام کے کئی مراتب ہیں: مرتبہ میں سب سے اعلیٰ وہ لوگ ہوں گے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔(زبدہ ص ۴۹)

کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟

جواب:

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لائے ۔ یا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قدیم الاسلام کہا ہے اور بعض حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو۔

زبدۃ التحقیق ہی کے ص ۵۱ و ۵۲ میں ریاض النضر ہ کے حوالے سے ہے:

جناب شعبی تابعی کہتے ہیں کہ میں نے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ای الناس کان اول اسلاما؟ سب لوگوں سے پہلے اسلام لانے والا کونسا شخص تھا؟ جناب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا: تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سُنا؟

والثانی التالی المحمود مشھدہ

و اول الناس منھم صدق الرسلا

وہ دوسرے شخص ہیں جن کا وجود پاکیزہ ہے

جنہوں نے سب لوگوں سے پہلے رسولوں کی تصدیق کی (حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے) یہ اشعار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پڑھے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد خوشی ہوئی۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اشعار کہنے کو (حضرت حسان رضی اللہ عنہ) کے شعر ہیں مگر دستور کی نظروں میں یہ حدیث تقریری ہے۔ اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحسین وآفریں فرمانا اسی معنی کی تاکید مزید ہے۔

پھر بھی محققین فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی پہلے اسلام قبول کئے ہوں تو یہ اس وقت کی بات ہوگی جب ایمان لانا آپ پر فرض نہیں تھا۔ اس وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال رہی ہوگی، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جوانی میں اسلام قبول کیا تھا جب ایمان لانا آپ پر فرض تھا۔ اور غیر فرض کی

ادائیگی سے فرض کی ادائیگی بہتر ہے۔ اس لیے امام منصور بغدادی کے ارشاد :
''مرتبہ میں سب سے اعلی وہ لوگ ہوں گے جو سب سے پہلے ایمان لائے'' کا
مطلب یہ ہے کہ جب مفضل اور مفضل علیہ دونوں پر ایمان لانا فرض یا دونوں پر
ایمان لانا غیر فرض ہو۔

اس کے علاوہ امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت
امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے کی بنیاد، ان کا قدیم الاسلام
ہونا نہیں ہے؛ کیوں کہ قدیم الاسلام ہونا فضل جزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر
مل سکتا ہے۔ قدیم الاسلام ہونا اگر افضلیت مطلقہ کی وجہ ہو تو لازم آئے گا کہ من
وتو، زید وعمرو، جو باپ، دادا، پر دادا، پشتہا پشت سے مسلمان چلے آتے ہیں، وہ
صحابۂ کرام سے بھی معاذ اللہ! افضل ٹھہریں۔ لہٰذا، اس کو افضلیت مطلقہ کی بنا
قرار دینا فضیلت جزئیہ اور فضیلت مطلقہ کے فرق سے غفلت واغماض پر مبنی
ہے۔

●●●

اعتراض (۲۲):

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نکوکار و بدکار مسلمان کی اقتدا میں نماز
پڑھ لینے کا حکم دیا ہے اور صحابۂ کرام نے فاسقان زمانہ کی اقتدا میں نمازیں پڑھی
ہیں لیکن کیا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک
فاسق و بدعتی کی اقتدا میں نماز درست نہیں ہوتی ہے جیسا کہ ''زبدۃ التحقیق'' ص ۱۴۱
تا ۱۴۵ میں مختلف کتابوں کی درج ذیل عبارتیں :

شرح عقائد ص ۱۱۵ پر ہے :

تجوز الصلاۃ خلف کل بر وفاجر، لقولہ علیہ السلام :
صلوا خلف کل بر وفاجر، لان علماء الامۃ کانوا یصلون
خلف الفسقۃ واھل الاھواء والبدع من غیر نکیر۔

ترجمہ: ہر نیک و بد کے پیچھے نماز درست ہے؛ کیوں کہ آپ علیہ
الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہر اچھے اور برے مسلمان کے
پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اور اس وجہ سے کہ امت کے علما فاسقوں،
اہل اہوا اور اہل بدعت کے پیچھے بغیر انکار کے نماز پڑھ لیا
کرتے تھے۔

وما نقل عن بعض السلف منع المنع خلف المبتدع
فمحمول علی الکراھیۃ اذلا کلام فی کراھیۃ الصلوۃ
خلف الفاسق والمبتدع۔

[جو بعض سلف صالحین سے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ
انہوں نے مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، اس
سے مراد نماز کا مکروہ ہونا ہے، کیوں کہ فاسق اور مبتدع کے پیچھے
نماز مکروہ ہونے میں کوئی بحث ہی نہیں۔
یہ جمہور اہل سنت کی آرا ہیں۔
بحیثیت سنی حنفی ہونے کہ میں نے مبتدع کے پیچھے نماز کے
عدم جواز پر اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام
ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ لکھ دیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''میزان العقائد'' میں
شرح عقائد کے مذکورہ جملے کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

خلف کل بروفاجر اشارۃ الی انہما سواء فی الامامۃ و الا
لاحاجۃ لقولہ "بر" لانہ تجوز الصلوۃ خلفہ مطلقا قطعا۔

[خلف کل بروفاجر، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دونوں
امامت میں برابر ہیں ورنہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد
گرامی کی کوئی ضرورت نہ تھی ''بر''؛ کیوں کہ اس کے پیچھے نماز
مطلقاً وقطعاً درست ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اپنی کتاب ''البنایۃ فی شرح الہدایۃ'' ۱۔۳۹۲ پر رقم طراز ہیں:

اما الفاسق بالتاویل کمن یسب السلف الصالح فعنہ
روایتان ،وعن احمد فیہ روایتان فی جواز الاقتداء بہ
مطلقا ،اصحہا المنع ۔ و قلنا نحن و الشافعی بجواز

امامتہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام "صلوا خلف کل
بروفاجر" ولان ابن عمر وانسا وغیرہما من الصحابۃ
رضی اللہ عنہم والتابعین صلوا خلف الحجاج الجمعۃ
وغیرہا مع انہ افسق اہل زمانہ۔

ترجمہ: رہی بات اس فاسق کی جو تاویل کرتا ہے جیسا کہ وہ
سلف صالحین کو سب کرتا ہے، امام مالک سے اس کے
بارے میں دو روایتیں ہیں اور امام احمد سے بھی دو
روایتیں ہیں۔ایک روایت میں تو مطلقاً جواز ہے مگر صحیح
روایت کے مطابق منع ہے۔ہم نے (احناف نے) اور امام
شافعی نے اس کی امامت کو جائز قرار دیا ہے، کیوں کہ
سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر اچھے اور برے
کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو؛ کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور انس
رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم نے
حجاج بن یوسف کے پیچھے جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھیں
باوجودے کہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فاسق تھا۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر علامہ بدرالدین عینی خامہ فرسا ہیں:

وکان ابن مسعود یصلی خلف الولید بن عقبۃ صلوۃ
الجمعۃ وسایر الصلوات وکان الولید والیا بالکوفۃ
وکان فاسقا حتی صلی بالناس یوما وھو سکران۔

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ کے پیچھے جمعہ کی نماز

اور دوسری نمازیں پڑھا کرتے تھے جب کہ ولید بن عقبہ
کوفے کا گورنر تھا اور فاسق تھا حتیٰ کہ اس نے لوگوں کو ایک
دن نماز پڑھادی جب کہ وہ نشے میں مخمور تھا۔

علامہ بدرالدین عینی اپنی انہی توضیحات میں اسی کتاب کے ص ۳۹۳ پر
تحریر فرماتے ہیں:

فأصل الجواب ان من كان من اهل قبلتنا ولم يعمل فى
قوله حتى لم يحكم بكفره تجوز الصلوة خلفه۔

[ان سبھی سوالات کا اصل جواب یہ ہے کہ جو ہمارے اہل قبلہ
میں سے ہو اور کوئی ایسی بات نہ کرے کہ اس کے کفر کا حکم کیا
جائے اس کے پیچھے نماز ''درست ہوگی''۔

(چند سطروں کے بعد)

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں:

وروى عن محمد عن ابى حنيفة وابى يوسف ان الصلوة
خلف اهل الاهوء لاتجوز۔

ترجمہ: امام محمد نے ابوحنیفہ وابو یوسف رحمہم اللہ سے روایت
کیا: اہل اہوا کے پیچھے نماز ''درست نہیں''۔
نقل کی گئی ہے،

اور آخر میں علامہ بدرالدین عینی کی دونوں عبارتوں میں ''تجوز'' کا ترجمہ
''درست ہوگی'' اور ''لاتجوز'' کا ترجمہ ''درست نہیں'' کیا ہے۔ اسی طرح
''میزان العقائد'' کی عبارت ''تجوز الصلوة خلفه مطلقا'' کا بھی ترجمہ ''اس

کے پیچھے نماز مطلقاً درست ہے'' کیا گیا ہے، اور فرمایا گیا ہے:

(۱) چوں کہ ہم لوگ سنی حنفی ہیں ہمارے امام صاحب امام
ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کسی بھی مبتدع کے پیچھے نماز کو جائز قرار
نہیں دیتے لہٰذا ہم کسی مبتدع کے پیچھے نہ ہی نماز پڑھتے
ہیں اور نہ جائز قرار دیتے ہیں۔ (ص ۱۴۵)

(۲) بحیثیت سنی حنفی ہونے کے میں نے مبتدع کے پیچھے نماز
کے عدم جواز پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام
ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ لکھ دیا ہے۔ (ص ۱۴۲)

جواب:

یہ دراصل عربی زبان کے لفظ ''**جواز**'' سے متعلق فقہاے کرام کے
اطلاقات، نظر میں نہ رہنے یا ان اطلاقات میں غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

فقہ میں یہ لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے:

(۱) حلت واباحت:

درمختار میں ہے:

يندب ذكر الخلفاء الراشدين و العمّين لا الدعاء
للسلطان، وجوزه القهستانى۔

خطبہ میں خلفاے راشدین اور حضور کے دونوں چچا حمزہ وعباس کا
ذکر کرنا مستحب ہے، بادشاہ کے لیے نہیں۔ قہستانی نے بادشاہ
کے لیے دعا کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

اس کے تحت رد المحتار ج ۳، ص ۲۰ میں ہے:

عبارته: ثم یدعو لسلطان الزمان بالعدل والاحسان.

[قہستانی کی عبارت یہ ہے :اس کے بعد اس زمانے کے
بادشاہ کے لیے عدل واحسان کرنے کی دعا کرے۔]

یہاں عدم جواز کے معنی ہوں گے حلال ومباح نہیں۔ جو مکروہ تحریمی سے
عام ہے یعنی مکروہ تحریمی وحرام دونوں پر عدم جواز کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

(۲) صحت ودرستگی:

بحر الرائق ج ۲، ص ۴۷ میں ہے:

ذکر القاضی الاسبیجابی: ان البیع وقت النداء مکروہ
للآیة ولو فعل کان جائزا.

[قاضی اسبیجانی نے بیان کیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے وقت
خرید وفروخت کرنا آیت کریمہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔ کسی نے
کرلیا تو بیع صحیح ہوگی]

یہاں عدم جواز کے معنی ہوں گے صحیح ودرست نہیں۔

(۳) نفاذ :

تنویر الابصار باب الکفاءۃ میں ہے۔

امرہ بتزویج امرأۃ فزوجه امة جاز، ای: نفذ؛ لان الکلا
م ثمه فی النفاذ، لا فی الجواز.

[کسی نے دوسرے سے کہا: کسی عورت سے میرا نکاح
کردو، اس نے باندی سے کردیا تو جائز ہے یعنی نافذ ہے

؛ کیوں کہ نفاذ کی بات ہو رہی ہے نہ کہ جواز کی۔]

یہاں عدم جواز کے معنی ہوں گے نافذ نہیں۔

(۴) لزوم:

غمز العیون، کتاب المدائنات میں ہے:

"لو جاز" ای: لزم تاجیله لزم ان یمنع المقرض عن مطالبته
قبل الاجل ولا جبر علی المتبرع.

["لو جاز" یعنی اگر مہلت لازم ہو تو لازم ہے کہ قرض خواہ
کو مدت پوری ہونے سے پہلے مطالبہ سے منع کیا جائے
حالاں کہ قرض دے کر تبرع کرنے والے پر جبر نہیں ہوسکتا۔]

یہاں عدم جواز کے معنی ہوں گے لازم نہیں۔

تنبیہ: صحت ودرستگی اور حلت واباحت میں عموم وخصوص کی نسبت
ہے۔ صحت ودرستگی عام ہے اور حلت واباحت خاص اور خاص کی نفی سے عام کی نفی
ضروری نہیں۔ اس لیے جواز بمعنی صحت، عدم جواز بمعنی حلت کا منافی نہیں۔ بلکہ
ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز ناجائز ہو اور صحیح بھی۔

بحر الرائق، فصل فی المحرمات میں ہے:

یراد بعدم الجواز عدم الحل ای: عدم حل ان یفعل
وهو لا ینافی الصحة.

[کبھی "حلال نہیں" بول کر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ یہ "صحیح نہیں و
درست نہیں؛ کیوں کہ "حلال ومباح نہیں" اس کے "صحیح و
درست" ہونے کا منافی نہیں ہے۔]

اسی کی ج ۲ ص ۲۷۴ میں ہے:

البیع وقت الاذان جائز، لکنه مکروه فان المراد بالجواز الصحة، لا الحل۔

[جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت جائز تو ہے مگر مکروہ؛ کیوں کہ جواز کے معنی صحت و درست کے ہیں، حلال ومباح کے نہیں]

اسی لیے شرح عقائد میں فرمایا گیا ہے:

و مانقل عن بعض السلف منع خلف المبتدع فمحمول علی الکراهیة، اذ لا کلام فی کراهیة الصلوة خلف الفاسق والمبتدع۔

[بعض اسلاف سے منقول ہے کہ بدعتی کی اقتدا کرنا منع ہے تو منع کا لفظ کراہیت پر محمول ہے؛ کیوں کہ بدعتی اور فاسق کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی کراہیت میں کوئی کلام ہی نہیں ہے]۔

جیسا کہ ''زبدہ'' میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

نتیجہ:

حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت مطلقہ مسلمانوں کا جمہوری اور اہل سنت کا اجماعی مسلک ہے، جو ضروریات اہل سنت میں داخل ہے۔ اس لیے جو اس کا منکر ہوگا، وہ اہل سنت سے خارج قرار پائے گا۔

مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۰۸ میں ہے:

ان فضل علیا فهو مبتدع۔

[حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر سے حضرت علی رضی اللہ عنہم کو افضل سمجھنے والا گمراہ ہے۔]

بزازیہ ج ۳ ص ۳۱۹ میں ہے:

ان کان یفضل علیا کرم الله وجهه علیهما فهو مبتدع۔

[اگر کوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتا ہے تو وہ گمراہ ہے]۔

مجموعہ رسائل سید ابن عابدین ص ۳۵۹ میں ہے:

ان کان یفضل علیا علیهما فهو مبتدع۔

[اگر کوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتا ہے تو وہ گمراہ ہے]۔

عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۴ میں ہے:

ان کان یفضل علیا کرم الله تعالی وجهه علی ابی بکر رضی الله تعالی عنه لا یکون کافرا الا انه مبتدع۔

[اگر کوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل مانے تو وہ گمراہ ہوگا، کافر نہیں۔]

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ)، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۶۷ میں ہے:

انکار نہ کند افضلیت شیخین را بر باقی صحابہ مگر جاہل یا متعصب۔

ترجمہ: باقی صحابہ پر حضرت ابوبکر و عمر کی افضلیت کا انکار وہی

کرے گا جو جاہل یا متعصب ہوگا۔

اسی میں ہے:

کسے کہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیق گوید از جرگۂ اہل سنت می بر آید۔۔۔ اجماعِ سلف بر افضلیت حضرت صدیق بر جمیع بشر بعد از انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات منعقد گشتہ است۔ احمقے باشد کہ توہم خرق اجماع نماید۔

ترجمہ: جو شخص امیر المؤمنین حضرت علی کو حضرت صدیق اکبر سے افضل سمجھے وہ اہل سنت وجماعت سے خارج ہے۔ انبیا علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے بعد حضرت صدیق اکبر کے تمام انسانوں سے افضل ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو اس اجماع کو توڑنے کا وہم کرے گا۔

نیز دفتر اول، مکتوب نمبر ۶۶ میں ہے:

افضلیت شیخین یقینی است و افضلیت حضرت عثمان دونِ اوست۔ اما احوط آنست کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را، بلکہ منکر افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نہ کنیم، و مبتدع وضال دانیم۔ آن کہ ہمہ را برابر داند و فضل یکے بر دیگرے فضول انگارد، عجب بو الفضولے کہ اجماع اہل حق را فضولے داند، مگر لفظ فضل او را بایں فضولے بردہ است۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمان کی افضلیت اس سے کم درجے کی۔ احوط یہی ہے

کہ ہم حضرت عثمان بلکہ حضرات شیخین کی افضلیت کے منکر کی بھی تکفیر نہ کریں، بدعتی و گمراہ سمجھیں۔ جو شخص سب کو برابر سمجھے ایک پر دوسرے کی افضلیت کو فضول مانے، عجب بو الفضولی ہے کہ اہل حق کے اجماع کو فضول سمجھتا ہے۔ شاید لفظ فضل (جو فضول کی اصل ہے) اسے اس فضولی (بے کار بات کہنے) تک لے آیا ہے۔

لیکن بطور تنزل مان بھی لیا جائے کہ یہ، اہل سنت کا اجماعی نہیں، جمہوری ہی مسلک ہے۔ تو بھی کیا دانستہ جمہور اہل سنت کے خلاف اعتقاد، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "اتبعوا السواد الاعظم؛ فانہ من شذ شذ فی النار" [سواد اعظم کی اتباع کرو؛ کیوں کہ جو جمہور سے الگ راہ چلے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ (المستدرک للحاکم)] کا مصداق بننا نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس مقام تک پہنچ کر میں سمجھ رہا ہوں کہ بقدر کفایت مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اب مزید خامہ فرسائی تکلیف دہ طوالت کا باعث ہوگی۔ اس لیے زبان قلم کو خاموش کرتا ہوں اور دعا کی درخواست کے ساتھ قارئین سے رخصت چاہتا ہوں۔ والسلام

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

مآخذ ومصادر

شمارہ	کتاب	تالیف
۱	قرآن کریم	تنزیل من اللہ
۲	اصول الفقہ	عیاض بن نامی السلمی
۳	الاجماع فی الشریعۃ الاسلامیۃ	رشدی علیان
۴	اصول الشاشی	نظام الدین شاشی [م ۳۴۴]
۵	قمر الاقمار	عبد الحلیم لکھنوی [۱۲۳۹۔۱۲۸۵]
۶	خلاصۃ الافکار	زین الدین قاسم حنفی [م ۸۷۹]
۷	فتاوی عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی [۱۱۵۹۔۱۲۳۹]
۸	معالم اصول الفقہ	محمد بن حسین الجیزانی
۹	مواقف	قاضی عضد الدین ایجی [م ۷۵۶]
۱۰	فواتح الرحموت	بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی [
۱۱	المعتمد المستند	امام احمد رضا [۱۲۷۲۔۱۳۴۰]
۱۲	الجود الحلو	ایضاً
۱۳	حاشیہ منہیہ	ایضاً
۱۴	مختصر المنار	طاہر بن حسن حلبی [م ۸۰۸]
۱۵	علم الصیغہ	مفتی عنایت احمد کاکوروی [۱۲۲۸۔۱۲۷۹]
۱۶	مواقف	قاضی عضد الدین ایجی [م ۷۵۶]

شمارہ	کتاب	تالیف
۱۷	شرح مواقف	سید شریف علی بن محمد جرجانی [م ۸۱۲]
۱۸	حاشیہ خیالی	علامہ خیالی
۱۹	حاشیہ ملا عبد الحکیم	ملا عبد الحکیم سیالکوٹی [۹۶۸۔۱۰۶۷]
۲۰	تفسیر روح المعانی	شہاب الدین احمد آلوسی [م ۱۲۷۰]
۲۱	تقریرات رافعی علی رد المحتار	شیخ عبد القادر رافعی [م ۱۳۲۳]
۲۲	عنایۃ القاضی علی البیضاوی	شہاب الدین خفاجی حنفی [۹۷۷۔۱۰۶۹]
۲۳	حاشیۃ القونوی علی البیضاوی	عصام الدین اسماعیل حنفی [م ۱۱۹۵]
۲۴	التوضیح فی حل غوامض التنقیح	عبید اللہ بن مسعود تاج الشریعہ [م ۷۴۷]
۲۵	تکمیل الایمان	شیخ محقق عبد الحق دہلوی [۹۵۹۔۱۰۵۲]
۲۶	کفایۃ الطالب الربانی	ابو الحسن علی بن محمد مصری [۸۵۷۔۹۳۹]
۲۷	مسند امام احمد	مجتہد مطلق امام احمد بن حنبل [۱۶۴۔۲۴۱]
۲۸	سنن دارمی	امام ابو محمد عبد اللہ دارمی [۱۸۱۔۲۵۵]
۲۹	نبراس	علامہ محمد عبد العزیز فرہاری
۳۰	شرح مقاصد	شیخ سعد الدین تفتازانی [م ۷۹۳]
۳۱	البحر الرائق	فقیہ ابن نجیم حنفی مصری [م ۹۷۰]
۳۲	المدوّنہ	مجتہد مطلق امام مالک بن انس [۹۳۔۱۷۹]
۳۳	مناقب الشافعی	امام ابوبکر احمد بیہقی [۳۸۴۔۴۵۸]
۳۴	الاعتقاد	ایضاً
۳۵	الجامع فی العلل	مجتہد مطلق امام احمد بن حنبل [۱۶۴۔۲۴۱]
۳۶	المفہم	علامہ شمس الدین قرطبی [۶۰۰۔۶۷۱]

نمبر	کتاب	مصنف
۳۷	منہاج شرح مسلم	امام یحییٰ بن شرف نووی [۶۳۱ـ۶۷۶]
۳۸	فتح الباری شرح بخاری	امام ابن حجر عسقلانی [۷۷۳ـ۸۵۲]
۳۹	شرح التبصرہ والتذکرہ	امام زین الدین عراقی [م ۸۰۶]
۴۰	الوصیۃ الکبریٰ	علامہ ابن تیمیہ [۶۶۱ـ۷۲۸]
۴۱	تاریخ الخلفا	امام جلال الدین سیوطی [م ۹۱۱]
۴۲	صواعق محرقہ	علامہ ابن حجر ہیتمی [م ۹۷۴]
۴۳	عقیدۃ اہل السنۃ	ناصر بن علی عائض
۴۴	سبع سنابل	میر عبد الواحد بلگرامی [۹۱۵ـ۱۰۱۷]
۴۵	منح الروض	ملا علی قاری حنفی [م ۱۰۱۴]
۴۶	لوامع الانوار	محمد بن احمد حنبلی سفارینی [م ۱۱۸۸]
۴۷	المستصفیٰ	امام غزالی شافعی [۴۵۰ـ۵۰۵]
۴۸	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی [۵۴۴ـ۶۰۶]
۴۹	معالم التنزیل (تفسیر بغوی)	حسین بن مسعود بغوی [۴۳۶ـ۵۱۶ھ]
۵۰	سنن ترمذی	ابو عیسیٰ محمد ترمذی [۲۰۹ـ۲۷۹]
۵۱	سنن ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن ماجہ [۲۰۹ـ۲۷۳]
۵۲	کنز العمال	علاء الدین علی متقی [م ۹۷۷]
۵۳	بخاری شریف	محمد بن اسماعیل بخاری [۱۹۴ـ۲۵۶]
۵۴	عمدۃ القاری شرح بخاری	محمود بن احمد بدر الدین عینی [م ۸۵۵]
۵۵	سنن ابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن اشعث [۲۰۲ـ۲۷۵]
۵۶	فضائل الصحابہ	مجتہد مطلق امام احمد بن حنبل [۱۶۴ـ۲۴۱]

نمبر	کتاب	مصنف
۵۷	الحجۃ فی بیان المحجۃ	ابو القاسم اسماعیل اصبہانی [م ۵۳۵]
۵۸	غنیۃ الطالبین	غوث اعظم عبد القادر جیلانی [۴۷۰ـ۵۶۱]
۵۹	عقائد نسفیہ	نجم الدین نسفی [۴۶۱ـ۵۳۷]
۶۰	لمعۃ الاعتقاد	موفق الدین ابن قدامہ حنبلی [۵۴۱ـ۶۲۰]
۶۱	قواعد العقائد	امام غزالی شافعی [۴۵۰ـ۵۰۵]
۶۲	الاسالیب البدیعہ	یوسف بن اسماعیل نبہانی [م ۱۳۵۰]
۶۳	الاستیعاب	ابو عمر ابن عبد البر مالکی [م ۴۶۳]
۶۴	الاستذکار	ایضاً
۶۵	التعرف	ابو بکر محمد بن اسحاق کلاباذی [م ۳۸۰]
۶۶	بحر الفوائد	ایضاً
۶۷	مرآۃ الجنان	ابو محمد عفیف الدین یافعی [م ۷۶۸]
۶۸	فتوح الغیب	شرف الدین حسین طیبی [م ۷۴۳]
۶۹	خطبۃ الکتاب المؤمل	ابو القاسم شہاب الدین دمشقی [م ۶۶۵]
۷۰	نظم الدرر	ابراہیم بن عمر بقائی [م ۸۸۵]
۷۱	الحبائک فی اخبار الملائک	امام جلال الدین سیوطی [م ۹۱۱]
۷۲	تفسیر سراج المنیر	شمس الدین الشربینی [م ۹۷۷]
۷۳	الیواقیت والجواہر	امام عبد الوہاب شیرانی [م ۹۷۳]
۷۴	کتاب المجروحین	محمد بن حبان تیمی [۲۷۰ـ۳۵۴]
۷۵	تاریخ الاسلام	امام شمس الدین ذہبی [۶۷۳ـ۷۴۸]
۷۶	تقریب التہذیب	امام ابن حجر عسقلانی [۷۷۳ـ۸۵۲]

۷۷ الضعفاء والمجروحین — امام ابن شعیب النسائی [۲۱۵۔۳۰۳]

۷۸ سوالات البرذعی — ابوزرعہ عبیداللہ رازی [م ۲۶۴]

۷۹ الجرح والتعدیل — ابن ابی حاتم رازی [۲۴۰۔۳۲۷]

۸۰ الکاشف — امام شمس الدین ذہبی [۶۷۳۔۷۴۸]

۸۱ تہذیب الکمال — جمال الدین مزی [۶۵۴۔۷۴۲]

۸۲ میزان الاعتدال — امام شمس الدین ذہبی [۶۷۳۔۷۴۸]

۸۳ مرقاۃ المفاتیح — ملا علی قاری حنفی [۱۰۱۴]

۸۴ لسان المیزان — امام ابن حجر عسقلانی [۷۷۲۔۸۵۲]

۸۵ الکامل فی ضعفاء الرجال — ابو احمد بن عدی جرجانی [۲۷۷۔۳۶۵]

۸۶ حاشیۃ سنن ترمذی — علی بن سلیمان مالکی [۱۲۳۴۔۱۳۰۶]

۸۷ حاشیۃ ابن ماجہ — عبدالغنی دہلوی ثم مدنی

۸۸ اشعۃ اللمعات — شیخ محقق عبدالحق دہلوی [۹۵۹۔۱۰۵۲]

۸۹ حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب — ابوالحسن علی بن احمد عدوی [۱۱۱۲۔۱۱۸۹]

۹۰ نقض المنطق — علامہ ابن تیمیہ [۶۶۱۔۷۲۸]

۹۱ الامام ابن حزم الظاہری — محمد عبداللہ ابوصعیلیک

۹۲ المسائرۃ — کمال الدین ابن ہمام [م ۸۷۹]

۹۳ شرح فقہ اکبر — بحرالعلوم عبدالعلی فرنگی محلی [۱۱۴۲۔۱۲۲۵]

۹۴ لمعات التنقیح — شیخ محقق عبدالحق دہلوی [۹۵۹۔۱۰۵۲]

۹۵ مناقب ائمہ — قاضی ابوبکر باقلانی مالکی [۳۳۸۔۴۰۲]

۹۶ قرۃ العینین — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [۱۱۱۴۔۱۱۷۴]

۹۷ المواہب اللدنیہ — امام احمد بن محمد ابوبکر قسطلانی [م ۹۲۳]

۹۸ فیض القدیر شرح جامع صغیر — علامہ عبدالرؤف مناوی [م ۱۰۳۱]

۹۹ خصائص کبریٰ — امام جلال الدین سیوطی [م ۹۱۱]

۱۰۰ انموذج اللبیب — ایضاً

۱۰۱ الاصابۃ — امام ابن حجر عسقلانی [۷۷۲۔۸۵۲]

۱۰۲ اسد الغابہ — ابن الاثیر جزری [۵۵۵۔۶۳۰]

۱۰۳ شرح عقائد نسفیہ — علامہ سعدالدین تفتازانی [م ۷۹۳]

۱۰۴ بنایہ شرح ہدایہ — بدرالدین محمود عینی حنفی [م ۸۵۵]

۱۰۵ میزان العقائد — شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی [۱۱۵۹۔۱۲۳۹]

۱۰۶ ردالمحتار — ابن عابدین شامی [۱۱۹۸۔۱۲۵۲]

۱۰۷ تنویر الابصار — محمد بن عبداللہ تمرتاشی [م ۱۰۰۴]

۱۰۸ الدرالمختار — محمد علاء الدین حصکفی [۱۰۲۵۔۱۰۸۸]

۱۰۹ اشباہ ونظائر — ابن نجیم مصری حنفی [م ۹۷۰]

۱۱۰ ہدایہ — امام برہان الدین مرغینانی [۵۳۰۔۵۹۳]

۱۱۱ الانتصار — ابوالحسن یحیٰ یمنی شافعی [م ۵۵۸]

۱۱۲ فضائل الخلفاء الاربعہ — ابونعیم اصفہانی [م ۴۳۰]

۱۱۳ المحاسن والمساوی — ابراہیم بیہقی [م ۳۲۰]

۱۱۴ سبل الہدیٰ والرشاد — محمد بن یوسف شامی [م ۹۴۲]

۱۱۵ کشف المحجوب — حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری [م ۴۶۵]

۱۱۶ سیر الاولیا — خواجہ سید محمد بن مبارک امیر خورد کرمانی

نمبر	کتاب	مصنف
۱۱۷	اتحاف السادۃ المتقین	سید مرتضیٰ حسین زبیدی مصری [۱۱۴۵۔۱۲۰۵]
۱۱۸	حلیۃ الاولیا	ابونعیم اصفہانی [۳۳۶۔۴۳۰]
۱۱۹	آداب المریدین	شیخ ابوالنجیب سہروردی [۴۹۰۔۵۶۳]
۱۲۰	شرح آداب المریدین	مخدوم بہار شرف الدین یحییٰ منیری [م۷۸۶]
۱۲۱	مکتوبات امام ربانی	امام ربانی مجدد الف ثانی [م۱۰۳۴]
۱۲۲	شرح لمعۃ الاعتقاد	خالد بن عبداللہ
۱۲۳	شرح لمعۃ الاعتقاد	یوسف بن محمد علی غفیص
۱۲۴	مجموعہ رسائل ابن عابدین	ابن عابدین شامی [۱۱۹۸۔۱۲۵۲]
۱۲۵	مجمع الانہر	شیخ زادہ عبدالرحمٰن بن محمد [م۱۰۷۸]
۱۲۶	فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد شہاب کردری بزازی [م۸۲۷]
۱۲۷	فتاوی حدیثیہ	امام احمد بن محمد ابن حجر ہیتمی شافعی [م۹۷۴]
۱۲۸	فتاوی عالم گیری	علامہ نظام الدین و دیگر مرتبین
۱۲۹	بدائع الفوائد	علامہ ابن قیم [م۷۵۱]
۱۳۰	قطبی	علامہ قطب الدین رازی
۱۳۱	ملا حسن	علامہ حسن اودھی

●●●